چھ سو برس پہلے

کا

ہندوستان

مشہور سیاح ابن بطوطہ کی کہانی

از

مقبول احمد سیوہاروی

قیمت عہ ر

بارِ اوّل
۱۰۰۰
مارچ ۱۹۵۳ء

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۷۳۴ھ محرم کی پہلی تاریخ تھی کہ ہم دریائے سندھ پہنچے، اسے پنج آب بھی کہتے ہیں۔ یہاں سے سلطان محمد شاہ کی حکومت شروع ہوتی ہے۔ ملتان کا حاکم قطب الملک ہے، ہماری اطلاع قطب الملک کو پہنچ چکی تھی۔ سندھ کا امیر عماد الملک سرتیز ہے۔ یہ بادشاہ کا داماد اور فوج کا سپہ سالار ہے۔ ملتان سے دہلی تک پچاس دن کا راستہ ہے۔ مگر بادشاہ تک پانچ دن میں خبر پہنچ جاتی ہے۔

ڈاک کا انتظام گھوڑوں سے بھی ہوتا ہے اور پیدل بھی۔ ہر چار کوس پر گھوڑے بدل دیتے ہیں اور تازہ دم گھوڑے ڈاک لے کر سرپٹ دوڑنے لگتے ہیں۔

ڈاک کے ہرکارے

پیدل ڈاک کی ہر ایک میل میں تین چوکیاں ہیں اور ہر ایک چوکی پر ایک ہرکارہ کمر کسے تیار بیٹھا رہتا ہے ہرکارے کے پاس برچھا ہوتا ہے۔ جس کی نوک پر تانبے کے گھنگرو بندھے ہوتے ہیں۔ ہرکارے کے گھنگرو کی آواز سنتے ہی چوکی میں بیٹھا ہوا ہرکارہ چوکس ہو جاتا ہے اور ڈاک لے کر پوری قوت سے بھاگ پڑتا ہے۔ یہ ڈاک گھوڑوں سے پہلے پہنچ جاتی ہے۔ کبھی کبھی خراسان کے میوے بادشاہ کے لئے آتے ہیں

اسی پیدل ڈاک سے آتے ہیں کبھی کبھی سنگین مجرم بھی چارپائی سے باندھ کر شہر کو لے لاتے ہیں۔ جب میں دولت آباد تھا تو گنگا کا پانی اسی ڈاک سے بادشاہ کیلئے آیا کرتا تھا۔

محمد تغلق پردیسیوں کا بڑا خیال رکھتا ہے۔ اس کا حکم ہے کہ پردیسی کو عزیز کہہ کر پکارا جائے۔ جو کوئی بادشاہ کو تحفہ دیتا ہے دونا تگنا انعام مل جاتا ہے۔

گینڈا دریائے سندھ پار کر کے بانس کا جنگل آیا۔ راستہ اسی جنگل سے ہو کر جاتا تھا۔ ہم نے جنگل میں گینڈا دیکھا نہایت خوفناک شکل تھی، سیاہ رنگ بڑا ڈیل ڈول۔ گینڈا ہاتھی سے چھوٹا ہوتا ہے، مگر اس کا سر ہاتھی سے بڑا ہوتا ہے، گینڈے کی پیشانی پر ایک سینگ ہوتا ہے۔ تین بالشت لمبا، ایک بالشت موٹا۔ جب یہ جنگل سے نکلا ایک سوار سامنے آگیا گینڈے نے گھوڑے کے سینگ مارا اور سوار کو ران چیر کر گرا دیا۔ پھر جنگل میں گھس گیا شام کے وقت ایک گینڈا پھر دکھائی دیا، یہ گھاس چر رہا تھا، ہم نے اسے مارنا چاہا مگر بھاگ گیا، ایک دفعہ بادشاہ کے ساتھ بھی گینڈا دیکھا تھا میں ہاتی پر سوار تھا اور بادشاہ بھی ہاتھی پر سوار تھا۔ بانس کے جنگل میں چلے جا رہے تھے کہ پیدل سپاہی گینڈے کو گھیر کر لے آئے اور مار ڈالا پھر اس کا سر کاٹ کر کیمپ میں لائے۔

(دو سینگ والا گینڈا سماترا، جاوا، چٹاگانگ اور برہما میں ہوتا ہے۔ سینگ کی لمبائی ۱۲ انچ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ابن بطوطہ نے تین بالشت کی لمبائی دور سے دیکھ کر لکھی ہے۔)

یہاں سے ہم سیوہان پہنچے۔ یہ ریگستانی شہر ہے ببول کے سوا

کسی درخت کا نام نہیں، ہاں نہر کے کنارے خربوزوں کی کاشت ہوتی ہے۔ جوار اور کابلی، مٹر کی روٹی کا یہاں زیادہ رواج ہے۔ مچھلی بہت ہوتی ہے اور دودھ بھی خوب ملتا ہے۔ سیہوان والے ریت مچھی (ریگ ماہی) بھی کھاتے ہیں۔ ریت مچھی پاؤں سے چلتی ہے۔ مگر دُم نہیں ہوتی۔ ریت کھود کر نکالی جاتی ہے۔ گوہ سے ملتی جلتی صورت ہوتی ہے۔ مجھے تو بڑی گھن آتی تھی نہ جانے یہ لوگ کیسے کھا لیتے ہیں، گرمی یہاں بہت سخت پڑتی ہے۔ ہم لوگ رومال بھگو کر سر پر ڈالتے تب ذرا چین ملتا تھا۔

جامع مسجد کے امام شیبانی ہیں۔ انھوں نے مجھے وہ پروانہ دکھایا جو حضرت عمر ابن عبد العزیز اموی خلیفہ نے ان کے دادا کو خطیب کا عہدہ دیتے وقت دیا تھا۔ شیبانی کے خاندان میں یہ پروانہ محفوظ چلا آتا ہے، اسی شہر میں عمر بغدادی سے ملاقات ہوئی لوگ کہتے ہیں کہ ان کی عمر ایک سو چالیس برس کی ہے۔

یہاں سے ہم لاہری شہر پہنچے۔ لاہری سمندر کے کنارے بہت خوب صورت شہر ہے۔ یہاں یمن اور فارس کے سوداگر بہت آتے ہیں اس لئے خوش حالی اور دولت مندی بھی ہے۔ علاء الملک نے بتایا کہ اس شہر کی آمدنی ساٹھ لاکھ ہے، شہر سے سات کوس پر ایک میدان ہے اسے تارنہ کہتے ہیں۔ میدان میں ان گنت مورتیاں ہیں، جانوروں کی، آدمیوں کی، ثابت بھی اور ٹوٹی ہوئی بھی، پتھر کے گیہوں، پتھر کے چنے، برتن، گھریلو سامان، ایک پتھر کا گھر ہے جس کے بیچوں بیچ چبوترہ

ہے، چبوترہ پر پتھر کا ایک آدمی کھڑا ہے۔ جس کا سر ذرا لمبا ہے۔ منہ ایک طرف پھرا ہوا۔ دونوں ہاتھ کمر پر بندھے ہوئے ہیں۔ مشہور ہے کہ پہلے زمانے میں یہ بہت بڑا شہر تھا۔ خدا کی پھٹکار پڑی اور تباہ و برباد ہو گیا۔ ہاتھ بندھا یہاں کا بادشاہ ہے۔ اس گھر کو راجہ کا محل کہتے ہیں۔ جگہ جگہ ہندی زبان کے کتبے دیواروں پر کندہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بربادی ایک ہزار برس پہلے ہوئی ہے۔

پانچ دن تک میں علاء الملک کا مہمان رہا اور اس نے میری بڑی مدارات کی۔ لاہری بندر سے ہم بھکر آئے۔ یہاں میری ملاقات امام عبداللہ حنفی اور قاضی شہر ابو حنیفہ اور شمس الدین محمد شیرازی سے ہوئی، شیخ شمس الدین نے بتایا کہ ان کی عمر ایک سو بیس برس کی ہے۔ یہاں سے ہم اوچھ گئے۔ اوچھ دریائے سندھ کے کنارے بڑا شہر ہے۔ عمارتیں مضبوط بازار صاف اور ستھرے ہیں۔ شہر کا حاکم جلال الدین کیجی اچھا آدمی ہے۔

یہاں میری ملاقات سید جلال الدین علوی حیدری سے ہوئی۔ سید صاحب نے مجھے اپنا چوغہ بھی دیا۔

ملتان ملتان سندھ کی راجدھانی ہے یہاں کا حاکم قطب الملک ہے بڑا امیر اور فاضل شخص ہے۔ میں نے ایک گھوڑا، ایک غلام، کشمش اور بادام بطور نذر پیش کئے۔ کشمش اور بادام اس ملک میں نہیں ہوتے خراسان سے آتے ہیں حاکم کے سامنے بہت سی کمانیں پڑی تھیں اور فوج

کے سپاہی سامنے سے گذر رہے تھے، ان میں جو کوئی چاہتا تھا کمان کھینچ کر اپنی طاقت کی نمائش کرتا تھا۔ بہت سے سپاہی گھوڑے کی سواری کلکلا دکھا رہے تھے اور برچھے کی انی سے انگوٹھی اٹھا کر لے جاتے تھے۔ کچھ سپاہی پولو کھیل رہے تھے اور لمبے لمبے بلّوں سے میدان میں پڑی ہوئی گیند کو مارتے گھوڑے اڑائے جا رہے تھے۔ جس کے کرتب سب سے اچھے ہوتے ہیں اسے ترقی دی جاتی ہے اور انعام ملتا ہے۔

دستر خوان

ایک دن مجھے قوام الدین کے ساتھ کھانے کا موقعہ ملا ذرا دستر خوان کی بہار دیکھئے۔ اول پتلی پتلی چپاتیاں آئیں پھر بھنی ہوئی بکری کے ٹکڑے کر کے ہر ایک کے سامنے رکھے گئے۔ پھر پراٹھے آئے جن کے بیچ میں حلوا بھرا ہوا تھا۔ پھر سموسے آئے سموسے میں بادام، جائفل، پستہ، قیمہ، پیاز، گرم مصالحہ بھرا ہوا تھا۔ ہر ایک کے پاس کم سے کم پانچ سموسے رکھے گئے، پھر مرغ پلاؤ، پھر ہاشمی، پھر قاہریہ کھانے سے پہلے حاجب دستر خوان پہ کھڑا ہو کر جھک گیا اور جتنے شریک طعام تھے وہ بھی جھک گئے۔ یہ بادشاہ کی نمائیانہ تعظیم تھی۔ تعظیم کے بعد دستر خوان پر بیٹھ کر اول چاندی سونے یا شیشہ کی پیالیوں میں مصری اور گلاب کا شربت آیا، پھر حاجب نے بسم اللہ کہا اور کھانا شروع ہو گیا۔ کھانا ختم ہوا تو پان آئے اور حاجب نے ایک مرتبہ بسم اللہ کہا جس کا مطلب یہ تھا کہ دستر خوان سے اٹھ جانا چاہیئے۔ چنانچہ بادشاہ کی تعظیم کے لئے پھر ایک دفعہ جھک کر سب لوگ دستر خوان سے اٹھ گئے۔

ہندوستان کے میوے ہندوستان کے میووں میں سب سے زیادہ خوش ذائقہ آم ہے۔ یہ کچا بھی کام آتا ہے اور پکا بھی، کچے کا اچار بنتا ہے۔ پکا چوس کر اور تراش کر کھایا جاتا ہے۔ آم کی ہزاروں قسمیں ہیں اور ہر ایک اپنے مزے اور خوشبو میں الگ ہے۔ ایسا میوہ دنیا کے دوسرے ملکوں میں نہیں ہوتا۔

کٹھل کٹھل کا درخت خوب بڑا ہوتا ہے اس کے پتے اخروٹ کے پتے جیسے ہوتے ہیں۔ کٹھل کا پھل جڑ میں زیادہ آتا ہے اور ایسا ہوتا ہے جیسی مشک، جو پھل جڑوں میں لگتے ہیں انھیں برکی کہتے ہیں اور شاخوں کے پھل کو چکی، برکی میں مٹھاس زیادہ ہوتی ہے۔ کٹھل کے بیج بھی ابال کر اور بھون کر کھاتے ہیں اور ترکاری بھی، پکاتے ہیں۔

تیندو تیندو آبنوس کا پھل ہے خوبانی جیسا رنگ اور خوبانی کی برابر ہوتا ہے، بے حد میٹھا، ہندوستان کے میووں میں جامن مہوا کسیرو، انار، چھوٹا کٹھل، رنگترہ، نارنگی اچھے پھل ہیں مگر آم سب سے اچھی چیز ہے۔ مہوا زیادہ کھایا جائے تو سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ مہوا سوکھ کر انجیر جیسا ہو جاتا ہے، انجیر اس ملک میں نہیں ہوتا۔ مہوے میں سال میں دو دفعہ پھل آتا ہے۔ اس کے بیج کا تیل بھی نکالتے ہیں۔ اور چراغوں میں جلاتے ہیں۔

غلے ہندوستان میں ہر قسم کا غلہ پیدا ہوتا ہے۔ جب گرمی میں بارش

ہوتی ہے تو خریف کی فصل ہوتے ہیں اور ساٹھ دن میں پیداوار کاٹ لیتے ہیں۔ دوسرے ربیع کی فصل ہے۔ خریف میں سوائیں، دھان، اُرد مونگ، لوبیا، موٹھ، تل، گنّا وغیرہ پیدا ہوتا ہے۔ ربیع میں چنا، گیہوں مسور کی پیداوار ہے۔ چاول سال میں تین دفعہ بوتے ہیں اور چاول کی پیداوار ہر ایک اناج سے زیادہ ہے۔

ہندوستان والے مونگ کی کھچڑی گھی ملا کر صبح کو ناشتہ میں کھاتے ہیں۔ گھوڑوں اور بیلوں کو موٹھ اور چنے کا دانہ پانی میں بھگو کر کھلاتے ہیں

اب پھر ہم اپنے سفر کا ذکر کرتے ہیں۔ الوہر سے چل کر ایک جنگل میں ہمارا گزر ہوا جس میں ایک دن ہمیں چلنا پڑا، ہم بائیس آدمی تھے۔ جس میں عربی اور عجمی دونوں تھے یکایک لٹیروں نے ہم پر چھاپہ مارا یہ اسّی لٹیرے تھے۔ دو سوار تھے۔ باقی پیدل ہم میں اور ان میں خوب جنگ ہوئی۔ بارہ آدمیوں کو ہم نے مار ڈالا اور ایک کا گھوڑا چھین لیا۔

اجودھن اجودھن چھوٹا سا شہر ہے۔ یہ شیخ فریدالدین کا شہر ہے شاہ ہندان کا مرید ہے۔ اور اس نے یہ شہر شیخ کو دیدیا ہے۔ شیخ کسی سے قریب ہو کر نہیں ملتے نہ کسی سے ہاتھ ملاتے ہیں، کسی کا کپڑا اُن کے کپڑے سے چھو جائے تو اپنے کپڑے دھو ڈالتے ہیں۔

شیخ کے دو بیٹے ہیں ایک کا نام علم الدین ہے۔ دوسرے کا معزالدین دونوں عالم فاضل ہیں۔ میں نے ان کے دادا شیخ فریدالدین بدایونی کی زیارت بھی کی ہے۔ بدایون سنبل کے علاقہ میں ایک شہر ہے، جب

میں اجودھن سے رخصت ہونے لگا تو شیخ علیم الدین نے مجھ سے کہا کہ والدہ سے ملاقات کر لیجئے۔ شیخ اس وقت مکان کی سب سے اونچی منزل پہ تھے سفید کپڑے تھے اور سفید ہی عمامہ سر پر تھا۔ میرے لئے دعا فرمائی اور مصری اور شکر تری کا تبرک عطا کیا۔

ابن بطوطہ کے سفرنامے کی یادداشتیں لٹیروں نے لوٹ لی تھیں۔ اور برسوں بعد اپنے حافظہ پر دوسرا سفرنامہ مرتب کیا ہے اس لئے بعض جگہ ناموں کی بھول ہو گئی ہے۔ شیخ فریدالدین جن کا ذکر ابن بطوطہ نے کیا ہے۔ اس وقت نہ تھے بلکہ ان کے پوتے شیخ علاءالدین موج سجادہ نشین تھے۔ علم الدین اور معزالدین ان ہی کے بیٹے ہیں۔ اور شیخ علاءالدین ہی بادشاہ کے پیر و مرشد تھے۔

شیخ فریدالدین بدایونی سے مراد غالباً حضرت خواجہ نظام الدین اولیا بدایونی ہیں، شیخ فریدالدین بدایونی اس زمانہ میں کوئی بزرگ نہ تھے۔

ستی

شیخ کی زیارت سے آکر دیکھا تو ہمارے ساتھی قیام گاہ کی طرف بھاگے چلے آرہے تھے۔ میں نے ان سے بھاگنے کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ ایک ہندو مر گیا ہے اور "چتا" پر اس کی بیوی بھی جلے گی پھر یہ سب لوگ دیکھنے چلے گئے اور آکر بتایا کہ عورت اپنے خاوند کی لاش سے لپٹ کر آگ میں جل گئی۔

ستی کا منظر

ستی کا منظر ایک دفعہ میں نے بھی دیکھا ہے۔ ایک ہندو دیوی بناؤ سنگھار کیے گھوڑے پر سوار تھی۔ ہندو مسلمان جلوس کی شکل میں ساتھ تھے۔ آگے باجہ بجتا جاتا تھا۔ اور برہمن سنکھ بجا رہے تھے ایک دفعہ ابھی ہیں دیکھا۔ تین بیوائیں جنھیں ستی ہونا تھا تین دن پہلے گانے بجانے میں لگی رہیں۔ ان کے لئے عمدہ عمدہ کھانے تیار ہوتے تھے۔ جنھیں یہ کھاتی تھیں اور گاتی تھیں۔ دور اور پاس پڑوس کی عورتیں آتی تھیں گلے ملتی تھیں۔ چوتھے دن ہر ایک کے لئے گھوڑا آیا اور یہ سوار ہو کر چلیں۔ ان کے زیور جگمگا رہے تھے اور سب کے سب عطر میں بسی ہوئی تھیں۔ دائیں ہاتھ میں ناریل تھے۔ جنھیں اچھالتی جاتی تھیں اور بائیں ہاتھ میں آئینہ تھا جسے بار بار دیکھتیں اور مسکراتیں۔ برہمن گھیرے ہوئے تھے۔ عزیز رشتہ دار ساتھ تھے۔ آگے آگے نوبت نقارے بجتے جاتے تھے اور ہر ایک ہندو ڈنڈوت کرتا اور کہتا کہ ہمارے "ماتا" "پتا" کو سلام پہنچا دینا۔ ستی والی عورتیں ان کے سلاموں اور پیغاموں کے پہنچانے کا وعدہ کرتی جاتی تھیں۔ میں بھی اپنے دوستوں کے ساتھ ستی ہونے کی جگہ گیا۔ تین کوس چل کر ایک ایسی جگہ آئی جہاں جھاڑیاں تھیں اور اندھیرا تھا۔ بیچ میں چار گنبد تھے اور ہر ایک میں ایک مورتی رکھی تھی۔ گنبدوں کے بیچ میں پانی کا حوض تھا جس پر گھنے درختوں کے سبب دھوپ نہ پڑتی تھی جس وقت عورتیں گنبدوں کے پاس پہنچیں تو حوض میں

اشنان کیا اور ڈبکیاں لگائیں قیمتی کپڑے اور زیور اتار کر الگ کر دیا
اور موٹی موٹی ساریاں باندھ لیں۔ حوض کے پاس ایک گڑھے میں
آگ دہک رہی تھی۔ آگ پر سرسوں کا تیل ڈالا جا رہا تھا۔ کچھ لوگ
لکڑی کے کندے اور پتلی پتلی لکڑیوں کے گٹھے لئے کھڑے تھے، آگ
کے سامنے موٹے کپڑے کی اوٹ کر دی گئی تھی۔ ایک طرف باجے نفیری
اور نقارے والے کھڑے تھے۔ اتنے میں ایک عورت بڑھی اور اس
نے زبردستی اوٹ کو پھینک دیا اور کہا میں جانتی ہوں کہ یہ آگ ہے
تم مجھے کیا ڈراتے ہو، پھر آگ کی طرف منھ کر کے ڈنڈوت کی اور بے
دھڑک کود پڑی عورت کے کودتے ہی لکڑیوں کے گٹھے اور کندے دھما
دھم پھینکے جانے لگے اور جے کاروں کی آوازوں سے پوری فضا گونج
اٹھی۔ میں اس منظر کی تاب نہ لا سکا اور بیہوش ہو گیا۔ اگر میرے
دوست نہ سنبھال لیتے تو شاید گھوڑے سے گر پڑتا۔ منھ پر ٹھنڈے
ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دئے تو سکون ہوا۔ اُفوہ کتنا ہولناک منظر تھا۔
سنا ہے کہ بعض ہندو گنگا میں ڈوب کر جان دے دیتے ہیں۔
گنگا ہندوؤں کے نزدیک بڑا مقدس دریا ہے اور اس میں مُردوں
کی راکھ بھی بہائی جاتی ہے۔ جو لوگ گنگا میں ڈوبتے ہیں وہ سب کے
سامنے ڈوبتے ہیں اور یہ کہہ کر ڈوبتے ہیں کہ ہم کسی تکلیف یا مفلسی کے
سبب نہیں ڈوبتے۔ بھگوان اور گشائیں کے خوش کرنے کو
ڈوبتے ہیں۔

سرستی اجودھن سے چل کر ہم سرستی پہنچے، سرستی بڑا شہر ہے۔ یہاں چاول کی کثرت ہے اور اچھے سے اچھا چاول مل جاتا ہے۔

ہانسی ہانسی بھی خوب صورت شہر ہے۔ عمارتیں بڑی اور فصیل خوب اونچی ہانسی ہندوستان کے سب سے بڑے قاضی، قاضی کمال الدین صدر جہاں بادشاہ کے استاد قطلوخاں اور شمس الدین کا وطن ہے۔ وہ شمس الدین جس نے ہندوستان سے مکہ معظمہ ہجرت کی اور وہیں مر گیا۔ دو دن بعد مسعود آباد پہنچے۔ یہ جگہ دلی سے قریب ہے، بادشاہ دار السلطنت میں نہیں ہے قنوج گیا ہے۔ بادشاہ کی ماں مخدومہ جہاں اور بادشاہ کا وزیر احمد بن ایاز خواجہ جہاں موجود ہیں۔ خواجہ جہاں نے ہم میں سے ہر ایک کے مرتبہ اور شان کے مطابق استقبال کے لئے آدمی بھیجے۔ میرے استقبال کے لئے شیخ بسطامی شریف مازندرانی فقیہ علاء الدین ملتانی اور سلطان کے معزز مقربین میں شیخ ظہیر الدین زنجانی تشریف لائے۔

شاہی محل جب ہم دہلی کی راجدھانی میں داخل ہوئے تو شاہی محل کی طرف چلے، پہلے اول دروازہ میں داخل ہوئے، پھر دوسرے میں پھر تیسرے میں، تیسرے دروازہ میں نقیب تھے، نقیب ہمیں ایک وسیع صحن میں لے گئے جہاں خواجہ جہاں وزیر ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ جانے کی ترتیب یہ تھی۔ آگے خداوندزادہ ضیاء الدین پھر قوام الدین، پھر عماد الدین، عماد الدین کے بعد میں (ابن بطوطہ) میرے پیچھے برہان الدین پھر امیر مبارک سمرقندی وغیرہ تیسرے دروازہ میں ایک بڑا دیوان خانہ تھا جسے

قصر ہزار ستون کہتے ہیں۔ بادشاہ کا عام دربار اسی قصر میں ہوتا ہے۔ یہاں آکر وزیر اعظم اتنا جھکا کہ سر زمین سے لگ گیا۔ ہم بھی جھکے، مگر اتنے کہ نوط انگلیاں زمین تک پہنچیں۔ چوبدار نے اونچی آواز سے بسم اللہ کہا اور ہم باہر نکل آئے۔

بادشاہ کی والدہ کا محل

بادشاہ کی ماں کو مخدومہ جہاں کہتے ہیں نہایت بزرگ عورت ہے۔ آنکھوں سے معذور ہے۔ بادشاہ اپنی ماں کی بیحد تعظیم کرتا ہے۔ سنا ہے کہ ایک دفعہ کسی سفر سے بادشاہ پہلے دہلی آگیا اور مخدومہ جہاں بعد میں آئیں۔ مخدومہ کی آنے کی خبر سنتے ہی دلی سے باہر تک بادشاہ نے استقبال کیا اور گھوڑے سے اتر کر پالکی میں مخدومہ جہاں کے پاؤں چومے۔

بادشاہ کے محل سے واپس ہو کر ہم لوگ حرم سرا کے دروازے کی طرف گئے، جہاں مخدومہ جہاں رہتی ہے۔ مخدومہ جہاں کے لئے ہم سب کے پاس کچھ نہ کچھ تحفے تھے۔ قاضی القضاۃ کمال الدین ہمارے ساتھ تھے۔ وزیر نے اور قاضی صاحب نے مخدومہ جہاں کے دروازے کے پاس جاکر تعظیم دی۔ اور ہم نے بھی تعظیم دی۔ ایک منشی نے ہمارے تحفے رجسٹر میں لکھ لئے، پھر کچھ لڑکے نکلے ان میں سے ایک نے وزیر سے چپکے سے کچھ بات کی اور محل میں واپس چلا گیا۔ پھر دو غلام وزیر کے پاس آئے اور چلے گئے اور ہمیں ایک دالان میں بٹھا دیا گیا اس کے بعد کھانا آیا۔

پہلے سونے کے مٹکے لائے جن کی گھڑونچیاں بھی سونے کی تھیں، پھر

پیالے رکابیاں اور لوٹے لائے۔ یہ سب سامان بھی سونے کا تھا، پھر
دسترخوان بچھا، ہر ایک دسترخوان پر دونوں طرف دو صفیں بٹھائی
گئیں۔ کھانے کے لئے ہم لوگ اٹھے تو حاجبوں اور نقیبوں نے تعظیم کی
اور ہم نے بھی تعظیم کی۔ پہلے شربت آیا، شربت پی چکے تو حاجبوں نے
بسم اللہ کہا اور کھانا شروع ہوگیا۔ کھانے کے بعد پان لائے گئے اور حاجبوں
نے بسم اللہ کہا گویا کھانا ختم ہوگیا۔ پھر ہمیں دوسری جگہ لے گئے اور زربفت کے
خلعت دیے گئے۔ خلعت پہن کر محل کے دروازے پر آئے۔ محل میں سے ریشم
کتان اور اونی تھان لائے گئے اور ہر ایک کو حسب حیثیت دیے گئے، پھر ایک
سونے کی سینی میں خشک میوے اور دوسری میں گلاب اور تیسری میں پان
لائے گئے۔ وزیر نے ایک ہاتھ پر سینی کو رکھا اور دوسرے ہاتھ سے زمین
کو چھوا اور اس طرح یہ طریقہ ہمیں بھی سکھا دیا۔ یہاں سے ہم اپنی قیام گاہ پر
چلے گئے۔

ہماری قیام گاہ پالم دروازہ کے قریب ہے مکان کو دیکھا تو پہلے سے
ہر ایک سامان سجا ہوا تھا۔ فرش۔ برتن۔ چارپائی۔ بچھونے۔ ہر چیز موجود
تھی۔ ہندوستان میں ہلکی چارپائیوں کا رواج ہے۔ چارپائیوں اور بستروں
کو ساتھ بھی رکھا جا سکتا ہے، چارپائیاں ریشم یا سوت کی رسیوں سے
بُنتے ہیں، ان چارپائیوں کو سوتے وقت بھگونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔
کیونکہ یہ خود ہی ٹھنڈی ہوتی ہیں۔

ہر چارپائی کے ساتھ دو گدّے دو تکیے اور ایک لحاف ہوتا ہے۔ یہ

یہ سب سامان ریشمی کپڑے کا ہوتا ہے۔ یہ بھی دستور ہے کہ گدوں پر کتان یا سوتی کپڑا چڑھا دیا جاتا ہے اس سے بستر میلا نہیں ہوتا اور اوپر کی چادریں میلا ہونے پر دُھل جاتی ہیں۔

پھر ہمارے پاس آٹے والا اور گوشت والا آیا۔ اور مخدومہ جہاں کی طرف سے کھانے کا سامان دیا گیا۔ دوسرے دن محل شاہی میں گئے، جہاں وزیر نے مجھے ہزار ہزار اشرفیوں کی دو تھیلیاں اور ریشمی خلعت دیا۔ اور میرے ساتھیوں غلاموں اور خادموں کے نام لکھ کر درجہ اول والوں کو دو سو درجہ دوم والوں کو ڈیڑھ سو اور درجہ سوم والوں کو سو سو اشرفیاں دیں اور چوتھے نمبر کے لوگوں کو پچھتر پچھتر۔ ایک ہزار رطل آٹا برابر کا گوشت یعنی ایک ہزار رطل، سیروں چینی، گھی چھالیہ اور ایک ہزار پان بطور دعوت بھیجے گئے، ہر ایک رطل چودہ سیر کا تھا۔

حادثہ ابھی مجھے آئے ڈیڑھ مہینہ ہوا تھا کہ میری بیٹی جس کی عمر ایک سال کی تھی مر گئی۔ وزیر نے حکم دیا کہ اسے ابراہیم قونوی کی خانقاہ کے پاس پالم دروازہ کے باہر دفن کر دیا جائے۔ تیسرے دن تیجہ ہوا۔

تیجہ تیجہ کے دن صبح صبح لوگ قبر پر آجاتے ہیں۔ قبر کے چاروں طرف ریشمی کپڑے اور گدے بچھائے جاتے ہیں۔ پھر چمپا چنبلی گل شبو کے پھول لیمو اور نارنگی کی ٹہنیاں رکھتے ہیں اور میوے ٹہنیوں میں تاگے سے باندھ دیتے ہیں، اپنے اپنے کلام اللہ ساتھ لاتے ہیں اور پڑھتے ہیں۔ کلام اللہ پڑھ چکتے ہیں تو گلاب پلایا جاتا ہے اور گلاب چھڑکا بھی جاتا ہے۔ پھر پان دے

جاتے ہیں۔ یہ تمام سامان وزیر نے قبر پر تیار کر لیا تھا اور قبر پر خیمہ لگا ہوا تھا۔ شہر کے بڑے بڑے آدمی موجود تھے۔ نہایت خوش گلو قاری کلام مجید پڑھ رہے تھے۔ پھر قاضی نے مرثیہ پڑھا اور بادشاہ کی تعظیم ادا کی، گلاب پاش سے گلاب چھڑکا گیا۔ اس کے بعد مجھے اور میرے ساتھیوں کو گیارہ خلعت دیے گئے، پھر ہم حاجب کے ساتھ شاہی محل میں گئے اور تخت شاہی کی تعظیم کی گھر واپس آیا تو معلوم ہوا کہ مخدومہ جہاں نے کھانا بھجوایا ہے۔ کھانا اتنا تھا کہ ہم سب نے کھایا اور محتاجوں کو بھی بانٹ دیا۔ پھر بھی بہت سی روٹیاں حلوا۔ شکر اور مصری بچ گئی اور کئی دن پڑی رہیں۔ کچھ دن بعد مخدومہ جہاں نے بچی کی ماں کو بلایا اور رات بھر محل میں رکھ کر صبح کو ایک ہزار روپیہ سونے کے جڑاؤ کڑے سونے کا جڑاؤ ہار، زر دکتاں کا قمیص زر دوزی کتاں کا خلعت اور کئی تھان کپڑے کے دئے۔ عورتیں اس ملک میں ڈولے میں بیٹھ کر چلتی ہیں۔ ڈولا چارپائی جیسا ہوتا ہے۔ ریشم یا سوت کی رسیوں سے بُنا جاتا ہے جس پر ایک لکڑی ہوتی ہے، ڈولے کو باری باری آٹھ آدمی اٹھاتے ہیں۔ چار اٹھاتے ہیں اور چار آرام لیتے ہیں، ہندوستان میں ڈولے وہی کام دیتے ہیں جو مصر میں گدھے، بہت سے لوگ ڈولے اٹھا کر ہی گذارہ کرتے ہیں کسی کے غلام ہوں تو غلام اٹھاتے ہیں۔ ورنہ کرایہ کے آدمی مل جاتے ہیں۔ کرایہ کے آدمی اکثر شاہی محل کے دروازہ کے آس پاس امیر لوگوں کے دروازہ کے پاس کھڑے مل جاتے ہیں۔ ڈولیوں پر ریشم کے پردے پڑے رہتے ہیں۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ میرے واسطے پانچ ہزار دینار سالانہ کی جاگیر مقرر کی جائے وزیر اور دیوان نے موضع باولی، بسی اور بالڑے کا آدھا گاؤں میرے نام لکھ دیا۔ یہ سب گاؤں دلی سے سولہ کوس کے فاصلہ پر ہیں۔

عید آگئی

عید آگئی مگر بادشاہ دلی میں نہیں ہے۔ عید کا دن آیا تو خطیب ہاتی پر سوار ہوا۔ خطیب سیاہ عمامہ اور سیاہ عبا پہن رہا تھا۔ عماری کے چاروں کونوں پر چار جھنڈے تھے۔ موذن بھی ہاتیوں پر سوار تھے اور آگے آگے تکبیر پڑھتے جاتے تھے۔ شہر کے مولوی اور قاضی بھی سوار تھے اور عید کا صدقہ تقسیم کرتے چلے جاتے تھے۔ عید گاہ میں سائبان تھا اور فرش بچھا ہوا تھا۔ نمازی جمع ہوگئے تو خطیب نے نماز پڑھائی پھر سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ ہم لوگ بادشاہ کے محل میں گئے۔ جہاں امیروں اور پردیسیوں کی حسب دستور دعوت تھی۔

عید کے چار دن بعد خبر ملی کہ بادشاہ شہر سے سات میل پر اپنے محل میں جس کا نام تل پت ہے مقیم ہے۔ وزیر نے حکم دیا کہ بادشاہ کا استقبال کیا جائے۔ ہم سب استقبال کے لئے باہر گئے۔ ہر ایک کے ساتھ نذر کے گھوڑے، اونٹ خراسانی میوے، مصری تلواریں، غلام اور ترکستانی دنبے تھے محل کے دروازہ پر پہنچے تو اپنے اپنے مرتبہ کے لحاظ سے داخلہ ہوا۔ اور ہر ایک کو کتان کے زرد کپڑے کا خلعت ملا۔ میری باری آئی تو بادشاہ کرسی پر بیٹھا تھا اور ناصر الدین کافی ہروی کھڑا تھا۔ حاجب نے تعظیم کی اور میں نے بھی تعظیم کی۔ امیر حاجب نے جس کا نام فیروز تھا میرا استقبال کیا اور میں نے دوسری مرتبہ تعظیم کی،

ناصر الدین نے کہا بسم اللہ مولٰنا بدر الدین، ہندوستان میں مجھے سب بدر الدین کہتے ہیں اور ہر ایک عرب کو مولٰنا کہہ کر پکارتے ہیں۔ بادشاہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کیا اور دیر تک ہاتھ پکڑے رہا پھر کہا تمہارا آنا مبارک ہو خاطر جمع رکھو میں تم پر نہایت مہربانی کروں گا اور اتنا انعام دوں گا کہ دوسرے عرب سنکر تمہارے پاس آئیں گے، پھر میرا ملک پوچھا۔ میں نے کہا "مغرب" بادشاہ نے کہا امیر المومنین کا ملک میں نے کہا جی ہاں!

پھر مجھے خلعت دیا گیا اور کھانا آیا۔

دستر خوان پر خداوندزادہ غیاث الدین بھی موجود تھا جسے بادشاہ بھائی کہتا تھا۔ بادشاہ دہلی میں داخل ہوا تو آگے آگے سجے ہوئے سولہ ہاتھی تھے جن پر جھنڈے لگے ہوئے تھے اور ہر ایک پر جواہر نگار چھتر یا سونے کا چھتر لگا ہوا تھا۔ بعض ہاتھیوں پر چھوٹی چھوٹی توپیں تھیں۔ جن میں روپیہ اشرفیاں بھر کر پھینکا جا رہا تھا۔ آگے آگے ہزارہا آدمی لوٹ رہے تھے۔ جب تک سواری محل میں پہنچی تھا ور ہوتی رہی، راستہ میں جگہ جگہ ریشمی کپڑوں سے منڈھے برج جن میں گانے والیاں بیٹھی تھیں۔

دوسرے دن پھر محل گئے اور دروازہ سے نکل کر تیسرے دروازہ کی صحن چبوں میں بیٹھ گئے ابھی داخلہ کی اجازت نہ آئی تھی۔ اتنے میں شمس الدین صاحب نے آکر متصدیوں سے کہا ان سب کے نام لکھ لو۔ انھیں اندر آنے کی اجازت ہے۔

میرے ساتھ آٹھ آدمیوں کے جانے کی اجازت ملی پھر اشرفیوں کی

تھیلیاں اور ترازو لائی گئی قاضی اور متصدی بیٹھ گئے۔ پردیسیوں کو بلاتے جاتے تھے اور اشرفیاں تول تول کر دیتے جاتے تھے۔ میرے حصہ میں پانچ ہزار اشرفیاں آئیں یہ رقم مخدومہ جہاں نے بیٹے کے خیر و عافیت سے آنے پر بطور صدقہ بھیجی تھی۔ کل رقم ایک لاکھ تھی۔

ایک دفعہ بادشاہ مجھ سے کہنے لگا تم جو میرے ملک میں آئے ہو نہ میں اس کا شکریہ ادا کر سکتا ہوں نہ کافی معاوضہ دے سکتا ہوں پھر بھی اتنا کہتا ہوں کہ تم میں کا ہر ایک بوڑھا میرے باپ کی مثل ہے۔ برابر والا بھائی ہے اور تھوڑی عمر والا اولاد کی جگہ ہے۔ میرے تمام ملک میں یہ شہر سب سے بڑا ہے اور یہ تمہارا ہے ہم نے بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور دعا کی۔ پھر ہم سب کی تنخواہیں اور عہدے مقرر ہوئے۔ میری تنخواہ سالانہ بارہ ہزار اشرفیاں۔ پہلے میری جاگیر میں تین گاؤں تھے دو کا اضافہ کیا گیا۔ جورہ اور ملک پورا۔

ایک دن خداوندزادہ غیاث الدین اور قطب الملک حاکم سندھ ہمارے پاس آیا اور بادشاہ کا یہ پیغام سنایا کہ تم میں سے جس کو، جس کام کی استعداد و لیاقت ہو اور رغبت بھی ہو وہ کام سپرد کر دیا جائے وزارت چاہے تو وزارت، امیر بننا چاہے تو امارت اور شیخ بننا چاہے تو خانقاہ۔

سید تاج الدین نے کہا میرے بزرگ وزیر تھے، اور میں کاتب ہوں بس یہی میرے خاندانی کام ہیں خداوندزادہ نے مجھ سے پوچھا آپ کیا چاہتے ہیں میں نے کہا میرے باپ دادا قاضی اور فوج کے افسر تھے سپاہ گری

اور شمشیر زنی میرا پیشہ ہے۔ بادشاہ اس وقت قصر ہزار ستون میں کھانا کھا رہا تھا ہمیں بلا بھیجا اور اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ رات کو پھر یاد کیا۔ خداوند زادہ ضیاء الدین کو میر داد مقرر کیا۔ میر داد قاضی کے پاس بیٹھتا ہے۔ جب کسی امیر یا بڑے آدمی پر دعوے کیا جاتا ہے تو مدعی کو قاضی کے سامنے حاضر کرتا ہے۔ سالانہ پچاس ہزار تنخواہ مقرر ہوئی۔ اور پچاس ہزار سالانہ کی جاگیر ملی، زرین خلعت پہنائی گئی اور ایک اول درجہ کا گھوڑا دیا گیا۔ خلعت کا نام شیر صورت تھا، شیر صورت کی پشت اور سینہ پر شیر کی تصویر ہوتی ہے اور خلعت میں لکھا ہوا ایک پرچہ لگا رہتا ہے کہ اس خلعت میں اتنا سونا ہے۔ ضیاء الدین کے بعد امیر بخت اندر گیا۔ حکم ہوا کہ وزیر کے ساتھ مسند پر بیٹھا کرے اور جو لوگ دیوان میں ان کے حسابات کی جانچ کرے چالیس ہزار اشرفیاں سالانہ، چالیس ہزار کی جاگیر خلعت اور گھوڑا شرف الملک کا خطاب دیا گیا۔

مجھے قاضی بنایا گیا

پھر ہبۃ اللہ فلکی کو بلایا اور اسے رسول دار (فنانشل سکرٹری) مقرر کیا گیا۔ چوبیس ہزار سالانہ تنخواہ چوبیس ہزار کی جاگیر بہاء الملک خطاب، پھر میں گیا بادشاہ محل کی چھت پر تخت کا تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ خواجہ جہاں سامنے تھا اور ملک قبولہ لاہوری کھڑا تھا۔ میں نے سلام کیا تو ملک کبیر نے کہا تعظیم کر، اخوند عالم نے تجھے دار السلطنت کا قاضی مقرر کر دیا۔ اور بارہ ہزار تنخواہ بارہ ہزار کی جاگیر ایک گھوڑا معہ زین و لگام اور ایک محرابی خلعت

تیرے لئے تجویز فرمایا۔ محرابی خلعت پر محراب کی تصویر بنی رہتی ہے۔ میں تعظیم بجالایا اور ملک کبیر میرا ہاتھ پکڑ کر بادشاہ کے سامنے لے گیا، بادشاہ نے کہا دہلی کی قضا کا عہدہ چھوٹا نہیں ہے ہم اس کو بڑا عہدہ سمجھتے ہیں۔ میں نے کہا مگر میں تو امام مالک کا مذہب رکھتا ہوں اور دلی والے حنفی ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ میں نے بہاء الدین ملتانی اور کمال الدین بجنوری کو تیرا نائب مقرر کر دیا ہے۔ یہ دونوں تجھ سے مشورہ لیں گے اور کوئی کاغذ بغیر تیری مُہر کے مکمل نہ سمجھا جائے گا۔ میں تجھے مثل اپنے بیٹے کے سمجھتا ہوں میں نے کہا۔ میں تو غلام اور خادم ہوں۔ بادشاہ نے عربی میں کہا انت سید نا ومخدومنا تم میرے سردار اور مخدوم ہو، پھر شرف الملک سے کہا۔ یہ بھیلا آدمی ہے تنخواہ کافی نہ ہوگی اگر یہ فقیروں کی خبر گیری کر سکے تو ایک خانقاہ بھی اس کے سپرد کر دینی چاہئے۔ رات زیادہ گزر چکی تھی اور نوبت بج رہی تھی۔ شہر کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ وزیر کے ساتھ ہم لوگ باہر آئے اور رات کو سید ابوالحسن عبادی کے مکان پر سو گئے۔ دوسرے دن ہم سب کو بلایا گیا نقدی، گھوڑے، اور خلعت لائے گئے، ہم سب نے خلعت کندھے پر رکھے اور اسی طرح بادشاہ کے حضور میں پہنچ کر تعظیم بجا لائے۔ تعظیم کا طریقہ یہ ہے کہ گھوڑے کے سموں پر کپڑا ڈال دیتے ہیں اور کپڑے کو بوسہ دیتے ہیں۔

بادشاہ نے میرے ہمراہیوں کو بھی دو ہزار اشرفیاں اور دس خلعت دیئے۔ قاضی مقرر ہونے کے بعد ایک دن میں دیوان خانہ میں بیٹھا تھا۔ ناصر الدین ترمذی میرے پاس بیٹھے تھے کہ ناصر الدین کی طلبی ہوئی اور

بادشاہ نے انھیں ایک کلام مجید جس پر موتی جڑے ہوئے تھے اور ایک خلعت دیا۔ اتنے میں ایک حاجب دوڑتا ہوا آیا اور مجھ سے کہا اگر کچھ دلواؤ تو میں خط خورد لا کر دوں۔ بارہ ہزار کے انعام کا تمہارے لئے حکم ہوا ہے میں سمجھا ہنسی کر رہا ہے اور اس ترکیب سے کچھ وصول کرنا چاہتا ہے، مگر میرے ایک دوست نے دو اشرفیاں دینے کا وعدہ کر لیا۔ اور وہ خط خورد لے کر آ گیا۔

خط خورد خط خورد ایک چھٹی کا نام ہے جس پر لکھا ہوتا ہے "اخوند عالم کا یہ حکم ہے کہ فلاں شخص کو فلاں حاجب کی شناخت پر اتنا روپیہ خزانہ سے دیدیا جائے۔ چھٹی پر پہلے حاجب کی شناخت کے دستخط ہوتے ہیں، پھر خان اعظم قتلو خاں معلم خریطہ دار کے جس کے پاس بادشاہ کا قلمدان ہے اور امیر نکبہ کے، ان سب کے دستخطوں کے بعد دیوان وزارت کے پاس لے جاتے ہیں۔ متصدی نقل کرتے ہیں پھر دیوان اشراف میں نقل ہوتی ہے۔ اور دیوان النظر میں پروانہ تیار ہوتا ہے۔ پھر وزیر خزانچی کو حکم دیتا ہے کہ روپیہ دیا جائے۔ خزانچی رجسٹر میں لکھ لیتا ہے۔ اور ہر روز کے پروانوں کا چٹھا بادشاہ کے حضور میں پیش کرتا ہے جن کے لئے فوراً دینے کا حکم ہو جاتا ہے اسی وقت دے دیا جاتا ہے اور جس پر لکھ دیا جاتا ہے دیر کی جا سکتی ہے" اسے دیر میں ملتا ہے مگر ملتا ضرور ہے۔ دیر والوں کو کبھی مہینوں میں ملتا ہے۔ جس قدر انعام ملتا ہے دسواں حصہ کاٹ لیا جاتا ہے۔

جب مجھ پر قرضہ زیادہ ہوگیا تو میں نے ایک قصیدہ لکھا اور بادشاہ کے حضور میں گذرانا۔ بادشاہ نے میرا قصیدہ زانو پر رکھ لیا۔ اور دوسرا کنارہ میرے ہاتھ میں رہا۔ میں قصیدہ کے شعر پڑھتا جاتا تھا اور قاضی کمال الدین فارسی میں سمجھاتا جاتا تھا۔ ساتواں شعر پڑھا تو بادشاہ نے کہا "مرحمت" یعنی تجھ پر مہربانی کی گئی حاجب مجھے میری جگہ لے گیا کہ تعظیم کروں۔ مگر بادشاہ نے کہا چھوڑ دو اور قصیدہ پورا کرنے دو۔ آخر قصیدہ پورا پڑھ تعظیم بجالایا۔ لوگوں نے مبارک باد دی مگر مدت تک مجھے کچھ بھی ملنے نہ لگا۔ آخر پھر ایک عرضداشت لکھی جسے قطب الملک حاکم سندھ نے پیش کیا۔ بادشاہ نے حکم دیا خواجہ جہاں سے کہو کہ قرضہ ادا کر دے خواجہ جہاں نے "اچھا" تو کہہ دیا مگر نتیجہ نہ نکلا۔

یہاں کا دستور ہے کہ اگر کسی بڑے آدمی پر قرضہ ہو اور وہ ادا نہ کر سکے تو قرض خواہ شاہی دروازہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور جوں ہی مقروض محل شاہی میں جاتا ہے۔ بادشاہ کے سر کی قسم دے کر کہتے ہیں کہ جب تک قرضہ ادا نہ کر دے محل شاہی میں نہ جائے اور بادشاہ کی دُھائی دیتے ہیں۔

ایک دن جبکہ بادشاہ اپنے باپ کی قبر پر گیا اور محل میں ٹھہر گیا۔ تو میں نے اپنے قرض خواہوں کو سمجھا دیا کہ یہ موقعہ اچھا ہے جوں ہی میں محل میں جانے لگا۔ قرض خواہوں نے دہائی دینی شروع کر دی متصدیوں نے فوراً بادشاہ کو پرچہ لکھا۔ شمس الدین فقیہ باہر نکلا اور ان لوگوں سے

پوچھا تمہارا کتنا قرضہ ہے اور جب انھوں نے بتایا کہ پچپیں ہزار ہے تو فقیہ نے بادشاہ سے عرض کر دی پھر آکر کہا بادشاہ کا فرمان ہے کہ اس کا قرضہ ہم چکا دیں گے اسے نہ روکو۔ پھر عماد الدین سمنانی۔ اور غیاث الدین کو حکم دیا کہ قصر ہزار ستون میں بیٹھ کر دستاویزات کا معائنہ کریں۔ جب انھوں نے رپورٹ کی کہ دستاویزات درست ہیں تو بادشاہ ہنس کر بولا آخر تو قاضی ہے کسر کیوں رکھتا اور حکم دیا کہ قرضہ خزانہ سے ادا کیا جائے، مگر مجھ سے رشوت مانگی اور جس نے رشوت مانگی جب اس کی خبر بادشاہ کو معلوم ہوئی تو شہر میں نظر بند کر دیا گیا۔

شکار ایک دفعہ بادشاہ شکار کے لئے دارالخلافہ سے باہر گیا تو میں بھی ساتھ گیا اور سفر کے لئے ایک خیمہ خرید لیا۔ یہاں خیمہ ہر ایک رکھ سکتا ہے۔ خصوصاً امیروں کے لئے تو خیمہ رکھنا ضروری ہے بادشاہ کا خیمہ سرخ ہوتا ہے اور امیروں کے خیمہ سفید ہوتے ہیں جن پر نیلی دھاریاں بنی رہتی ہیں۔ خیمہ کا سائبان بھی ہوتا ہے جسے سایہ کے لئے بانسوں پر تان دیا جاتا ہے۔ بانس اٹھانے والے جنھیں کیوانی کہتے ہیں اور گھسیارے اور کہار میرے ساتھ تھے۔ جنھیں روز کی مزدوری پر میں نے رکھ لیا تھا۔ باورچی خانہ کے برتن اٹھانے کا کام کہار کرتے ہیں۔ ڈولہ اٹھانے والے ڈولہ اٹھاتے ہیں۔ فرش بچھاتے ہیں اور اور اسباب اونٹوں پر لادتے ہیں۔ داؤدی آگے آگے دوڑتے ہیں اور رات کو مشعلیں لے کر چلتے ہیں۔ جس دن بادشاہ کی سواری نکلی میں

بھی شہر سے باہر نکل آیا، شام کو بادشاہ یہ دیکھنے کے لئے کہ کون آگیا ہے اور کون اب تک نہیں آیا خیمہ سے باہر آیا۔ اس وقت بادشاہ خیمہ کے باہر کرسی پر بیٹھا تھا۔ میں نے سلام کیا اور داہنی طرف اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔ ملک قبول نے مجھ سے کہا بیٹھ جاؤ۔ بادشاہ کی اجازت ہے، اتنے میں ہاتی آگیا اور سیڑھی لگا کر بادشاہ ہاتی پر چڑھ گیا۔

بادشاہ کے سوار ہوتے ہی ہر ایک امیر ماہی مراتب لے کر سوار ہو جاتا ہے، ماہی مراتب میں فوج جھنڈے طبل نفیری اور سرنا ہوتے ہیں۔ بادشاہ کے آگے پردہ دار طوائفیں اور گلے میں طبلے لٹکائے طبلچی اور سرنا بجانے والے ہوتے ہیں۔ پندرہ آدمی دائیں پندرہ بائیں جن میں وزیر بڑے بڑے امیر اور پردیسی شرفا ساتھ ہوتے ہیں۔ سب سے آگے پیادے اور راستہ بنانے والے پیچھے دو رویہ زرین جھنڈیاں پھر اونٹوں پر طبل بجتے ہوئے پھر شاہی غلام اور خادم پھر امیر پھر عام لوگ کسی کو خبر نہیں ہوتی کہ پڑاؤ کہاں ہوگا۔ چلتے چلتے جو جگہ بھی بادشاہ کو پسند آجاتی ہے پڑاؤ ڈال دیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے بادشاہ کا خیمہ نصب ہوتا ہے۔ پھر ناظر آکر ہر ایک کو جگہ بتا دیتا ہے اور خیمے لگ جاتے ہیں۔ شاہی خیمہ سب کے بیچ میں رہتا ہے۔ نئی عمر کی مرغیاں پہلے سے آجاتی ہیں پڑاؤ لگتے ہی امیروں کے لڑکے سیخیں لئے آجاتے ہیں اور کباب سینکتے ہیں۔ چھوٹے سے ڈیرہ میں بادشاہ امیروں سمیت بیٹھ جاتا ہے اور دسترخوان بچھ جاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بادشاہ اپنے ساتھ بٹھا لیتا ہے۔

ایک دن کا ذکر ہے بادشاہ خیمہ میں تھا، پوچھا باہر کون ہے؟ سید ناصر الدین بادشاہ کے ندیم نے کہا ابن بطوطہ مغربی ہے۔ اور بہت اُداس ہے بادشاہ نے سبب پوچھا تو کہا قرض خواہوں کے تقاضہ سے بیچارہ کی جان ضیق میں ہے۔ ملک دولت شاہ بھی موجود تھا کہنے لگا یہ ہر روز عربی میں مجھ سے کچھ کہتا ہے میری سمجھ میں تو کچھ آتا نہیں۔ شاید ناصر الدین سمجھتے ہوں۔ ناصر الدین اشارہ سمجھ کر بولا کہتا کیا ہے؟ وہی قرضہ کا دُکھڑا روتا ہے۔ بادشاہ نے دولت شاہ سے کہا ہم دلی پہنچیں تو خزانہ سے قرضہ ادا کر دیا جائے خداوندزادہ بھی حاضر تھا کہنے لگا یہ شخص بڑا اخرچیلا ہے۔ باورا، النہر کے دربار میں میری اس کی ملاقات ہو چکی ہے۔

ایک دفعہ بادشاہ کا گذر میرے خیمہ کی طرف ہو گیا۔ میرے ساتھیوں نے دیکھا تو کھڑے ہو کر سلام کیا۔ بادشاہ کو جب معلوم ہوا کہ یہ میرا خیمہ ہے تو مسکرایا۔ اور دوسرے دن مجھے خلعت دے کر شہر روانہ کر دیا۔ سید ناصر الدین اور ملک صبیح کو بھی خلعت ملے اور شہر جانیکی اجازت ملگئی! ایک دن بادشاہ نے مجھ سے پوچھا ملک ناصر اونٹ پر سوار ہوتے ہیں۔ میں نے عرض کیا حج کے دنوں میں مصر سے مکہ تک جاتے ہیں اور دس دن میں پہنچ جاتے ہیں۔ مگر وہ ہندوستان کے جیسے اونٹ نہیں ہوتے، پھر میں نے دلی آ کر سانڈنی کی کاٹھی اور پورا سامان بنوا کر بانات سے منڈھوایا اوپر زرین جھول ڈالی ریشم کی مہار تیار کرائی اور رکابیں لگوائیں اور ایک ہمنی سے جو حلوا بنانے میں بڑا ماہر تھا مختلف قسم کے حلوے تیار کرائے جن میں ایک حلوا کھجور کی صورت

کا تھا۔ حلوا اور سجی ہوئی سانڈنی بادشاہ کی خدمت میں بھیجی اور لیجانے
والے سے کہدیا کہ ملک دولت شاہ کے سپرد کر دینا۔ ایک گھوڑا اور دو
اونٹ ملک شاہ کے لئے بھی بھیجے۔ یہ سب سامان پہنچا تو ملک شاہ نے
بادشاہ سے عرض کی اخوند عالم آج میں نے ایک عجیب چیز دیکھی بادشاہ
نے پوچھا کیا؟ کہا اونٹ پر کاٹھی!! بادشاہ نے حکم دیا سامنے لاؤ۔ اونٹ
کو خیمہ میں لے گئے تو بادشاہ بہت خوش ہوا اور آدمی سے کہا سوار ہوکر
دکھاؤ۔ جب وہ سوار ہوا اور دوڑایا تو دو سو درہم اور ایک خلعت دیا۔
مجھے جب معلوم ہوا کہ بادشاہ نے اونٹ پسند کیا تو دو پالان اور بنوائے آگے
پیچھے چاندی منڈھوا کر اور زرد خانہ دار کمخواب کا جھول ڈلوایا۔ ملمع
شدہ چاندی کے گھنگرو پاؤں میں باندھے۔ گیارہ حلوے کے طباق
تیار کرائے۔ بادشاہ شکار سے آیا اور دربار عام میں بیٹھا تو میں یہ سب
سامان لے کر گیا۔ بادشاہ نے طباقوں کو دیکھ کر کہا کیا ان میں حلوا ہے؟
میں نے کہا جی حضور!! بادشاہ نے کہا اس دن کا حلوا خوب تھا۔ مگر
اس کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا حلوا بہت سی قسم کا ہوتا ہے۔ حضور کس
حلوے کو پوچھتے ہیں۔ بادشاہ نے طباق منگا کر حلوا دکھایا اور کہا یہ حلوا!!
میں نے کہا سرکار اسے لقیمات القاضی کہتے ہیں۔ دربار میں بغداد
کا ایک بڑا سوداگر بھی تھا۔ بادشاہ اسے باپ کہتا تھا۔ اور بڑی عزت
کرتا تھا۔ مجھے شرمندہ کرنے کے لئے بولا یہ لقیمات القاضی نہیں ہے اور
حلوائے جلد الفرس کا طباق اٹھا کر کہا لقیمات القاضی یہ ہے۔ سوداگر

کے سامنے ناصر الدین کانی ہروی بیٹھا تھا اس کے حاضر جوابی کا تمام دربار لوہا مانتا تھا اور سوداگر سے ہمیشہ نوک جھوک رکھتا تھا۔ سوداگر کی بات سنتے ہی بولا آپ جھوٹ کہتے ہیں قاضی سچا ہے، بادشاہ نے کہا یہ کیسے! ناصر الدین نے کہا یہ قاضی ہے اور قاضی سے بہتر کون بتا سکتا ہے۔ کہ اس کا لقمہ کیا ہے؟ اس پر بادشاہ ہنس پڑا اور سوداگر جھینپ کر رہ گیا۔ کھانے کے بعد حلوا کھایا گیا اور ہم پان لے کر رخصت ہو گئے ابھی باہر بھی نہ نکلے تھے کہ خزانچی آیا اور بولا آدمی بھیجدو تاکہ رقم اٹھا کر لے آئیں۔

سلطان قطب الدین کا مقبرہ

شاہی دستور ہے کہ میت کا جوتا قبر کے پاس ایک چوکی پر رکھ دیتے ہیں۔ بادشاہ کسی زمانہ میں قطب الدین کا ملازم تھا۔ اس لئے جب کبھی سلطان کے مقبرہ میں جاتا۔ سلطان قطب الدین کی پاپوش اٹھا کر چومتا سر پر رکھتا اور جس طرح زندگی میں سلطان کی تعظیم کرتا تھا مقبرہ کے اندر بھی تعظیم بجالاتا۔ قطب الدین کی بیوہ کی بھی بیحد تعظیم کرتا اور بہن کہتا۔ قاضی مصر کے ساتھ نکاح کر دیا تو قاضی کی بیحد خاطر کرتا۔

ان ہی دنوں میں سید حسن شاہ کی بغاوت کی خبریں آنے لگیں بادشاہ نے ملک معبر پر چڑھائی کی اور مجھے بلا کر حکم دیا کہ سلطان قطب الدین کے مقبرہ کی نگرانی کرتے رہو۔ میں نے عرض کی کہ مقبرہ کا خرچ آمدنی سے کم ہے، چار سو ساٹھ آدمیوں کے

روزینہ کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ بادشاہ نے وزیر کو بلا کر ہدایت کی کہ ایک لاکھ من گیہوں اور چاول دیدیئے جائیں اور جب تک مقبرہ کی جاگیر کا غلہ آئے اس غلہ سے کام چلایا جائے۔ پھر کہا اور کچھ، میں نے کہا میرے ہمراہی قید میں ہیں انھیں معاف کیا جائے اور جس مکان میں میری رہائش ہے وہ ٹوٹ پھوٹ گیا ہے اس کی مرمت کی اجازت دی جائے۔ بادشاہ نے حکم دیا یہ دونوں منظور ہیں۔ پھر بادشاہ نے شفقت سے فرمایا ابن بطوطہ دیکھ!! قرض نہ لیا کر اور جتنا میں دوں اس سے زیادہ خرچ نہ کیا کر ممکن ہے ہمیں خبر نہ ہو اور قرض خواہ تجھے ستائیں میں نے قدم بوس ہونا چاہا مگر بادشاہ نے میرا سر پکڑ کر روک دیا اور فقط دست بوسی کی اجازت دی۔ میں نے اپنے گھر کی درستی شروع کر دی چھ سو، اشرفیاں سرکاری خزانہ سے ملیں اور کچھ اپنے پاس سے لگایا اور مکان کے سامنے ایک مسجد بھی بنوائی۔ پھر میں سلطان قطب الدین کے مقبرہ کا انتظام کرنے لگا۔ بادشاہ چاہتا تھا کہ سلطان قطب الدین کا گنبد سو ہاتھ اونچا تیار کیا جائے اور بیس گاؤں وقف کے لئے مجھے خریدنے کا حکم دیا تھا تاکہ دس فیصدی منافعہ مل جائے۔

یہ بھی دستور ہے کہ بادشاہوں کی قبروں پر ہاتھی گھوڑے بندھے رہتے ہیں اور جو چیزیں ان کی زندگی میں ضروری تھیں رکھی جاتی ہیں۔ ہر وقت صفائی اور سجاوٹ رہتی ہے۔ مقبرہ کا انتظام میرے سپرد ہوا تو میں نے ڈیڑھ سو قرآن پڑھنے والے جنھیں ختمی کہتے ہیں۔ ملازم رکھے

ایک مدرس رکھا۔ اسّی درویشوں کے کھانے کا انتظام کیا۔ ایک امام موذن۔ قاری۔ مدح خواں حاضری نویس وغیرہ کا انتظام کیا۔ فرش بچھانے والے کھانا پکانے والے، شربت پلانے والے، آب دار (سقے) نیزہ دار، چھتر دار، طشت دار، حاجب، نقیب، چوب دار نوکر رکھے، یہ سب چار سو ساٹھ آدمی کا عملہ تھا۔ بادشاہ کی ہدایت تھی کہ ہر روز بارہ من آٹا اور بارہ من گوشت پکایا جائے۔ میں نے ۳۵ من گوشت پکوایا، شکر، مصری، اور پانوں کا خرچہ الگ تھا۔ دونوں عیدوں میں، میلادالنبی کے دن۔ عشرہ کے دن، شبرات میں اور سلطان قطب الدین کی وفات کے دن سو من آٹا اور سو من گوشت پکوایا اور مسکینوں فقیروں کو کھلایا۔ اور بہت سے گھروں میں خوان لگوا کر بھیجے جس سے قحط کے زمانہ میں لوگوں کو بڑی مدد ملی اور میری بڑی شہرت ہوگئی، چنانچہ ملک صبیح جب بادشاہ کے پاس دولت آباد گیا تو میری بڑی تعریف کی اور کہا کہ اگر دو چار نوکر بھی ایسے ہوں تو دلی کے غریبوں کو ذرا بھی تکلیف نہ ہو، یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور اپنی پوشش کا خلعت بھیجا۔ کچھ دن بعد مجھے امروہہ بعض معاملات کے تصفیہ کے لئے جانا پڑا۔

امروہہ

امروہہ کا علاقہ دلّی سے تین دن کی مسافت پر ہے، میرے ساتھ ۳۲ آدمی تھے۔ اور برسات کا موسم تھا۔ میرے ساتھیوں میں دو ڈوم تھے اور دونوں بھائی تھے۔ گانا خوب جانتے

تھے، بجنور میں تین ڈوم اور مل گئے یہ بھی تین بھائی تھے۔ میں کبھی ان سے گانا سنتا اور کبھی بجنور والوں سے۔ امروہہ چھوٹا سا خوب صورت شہر ہے، شہر کا قاضی شریف علی ہے جس نے میرا استقبال کیا۔ قاضی کے ساتھ خانقاہ کا شیخ بھی تھا۔ دونوں نے مل کر میری بڑی شاندار دعوت کی۔ امروہہ کا حاکم عزیز خمار ہے اور شمس الدین بدخشانی امیر ہے ہم جب امروہہ پہنچے تو خمار افغان پور گیا تھا۔

امروہہ سے افغان پور جانے میں ندی پڑتی ہے۔ کشتی نہ تھی اس لئے لکڑی اور گھاس کی کشتی بنا کر ہم نے اپنا اسباب افغان پور بھیجا اور دوسرے دن خود گئے۔ نجیب عزیز خمار کے بھائی نے ہمارا استقبال کیا۔ جس دریا سے ہم پار ہو کر آئے اس کا پانی برسات میں نہیں پیتے، اور نہ جانوروں کو پلاتے ہیں۔ ہم اگرچہ تین دن دریا کے کنارے خیموں میں ٹھہرے مگر پانی نہ پیا۔ کہتے ہیں کہ یہ دریا ہمالیہ سے نکلا ہے ہمالیہ پہاڑ میں سونے کی کانیں ہیں دریا زہریلی بوٹیوں سے ہو کر گذرتا ہے۔ اس لئے پانی نہیں پیتے۔ پہاڑ کی دوسری طرف تبت کا ملک ہے جہاں مشک کا ہرن پیدا ہوتا ہے۔

افغان پور میں میرے پاس حیدری فقیروں کا ایک گروہ آیا جنہوں نے پہلے قوالی سنی پھر جلتی آگ میں گھس گئے۔

اس سے پہلے میں ذکر کر چکا ہوں کہ بادشاہ معبر چلا گیا تھا۔ جب وہ تلنگانہ سے گذرا تو شاہی فوج میں وبا پھیل گئی۔ اس لئے دولت آباد

واپس آگیا اور پھر گنگا کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا۔ میں بھی وہاں گیا تھا
ان ہی دنوں عین الملک باغی ہو گیا اور میں بھی بادشاہ کے ساتھ
عین الملک کی بغاوت دبانے میں شریک جنگ ہوا۔ بادشاہ نے مجھے
اپنے خواص میں شامل کر لیا اور خاصہ کا گھوڑا عنایت کیا۔ ان ہی دنوں
دریائے سرجو کے پار ہو کر حضرت سید سالار مسعود غازیکی قبر کی زیارت نصیب
ہوئی اور پھر بادشاہ کے ساتھ دہلی واپس چلا آیا۔

غازی کی

ترک دنیا

سچ یہ ہے کہ بادشاہوں کی دربار داری بڑا کٹھن کام
ہے ہر وقت سر ہتھیلی پر رہتا ہے۔ شیخ شہاب الدین
جام کا تفصیلی ذکر تو میں کسی دوسری جگہ کروں گا۔ اس وقت فقط یہ
واقعہ بیان کرنا ہے کہ جب بادشاہ کا عتاب شیخ جام پر ہوا اور شیخ جام
کو گرفتار کیا گیا تو شیخ کے بیٹوں سے پوچھا کہ کون لوگ تمہارے باپ
سے ملنے جاتے تھے۔ انھوں نے میرا نام بھی لیا، یہ سنتے ہی چار غلاموں
کا پہرا میرے گھر پر لگا دیا گیا۔ پہرے کا مطلب یہ تھا کہ اب میری جان
کی خیر نہیں۔ میں نے حسبنا اللہ و نعم الوکیل پڑھنا شروع
کیا اور صبح سے شام تک ۳۳ ہزار بار پڑھا۔ رات کو زنان خانہ میں بھی
نہیں گیا اور پانچ دن کا روزہ رکھ کر روزانہ ایک ایک کلام مجید ختم
کیا اور پانی سے افطار کیا۔ پھر چار دن کا روزہ رکھا۔ شیخ قتل ہو گیا
خدا خدا کر کے پہرا اٹھا اور میری جان میں جان آئی۔ اس واقعہ
میرا جی کھٹا ہو گیا اور میں نے ٹھان لی کہ سب ٹھاٹ باٹ چھوڑ کر درو

اختیار کر لوں اور شیخ کمال الدین عبد اللہ غاری کی خدمت میں چلا گیا۔ جو کچھ میرے پاس تھا لٹا دیا اور شیخ کی خدمت گذاری اختیار کر لی۔ شیخ کی حالت یہ تھی کہ دس دس بیس بیس دن کا روزہ رکھتے مگر میں لمبا روزہ رکھنا چاہتا تو روک دیتے ہیں نے اپنے کپڑے بھی فقیروں کو بانٹ دیئے اور ایک فقیر کی گدڑی لے کر پہن لی۔ پانچ مہینے تک شیخ کی خدمت میں حاضر رہا۔ ان دنوں بادشاہ سندھ گیا تھا۔ جب اسے خبر پہنچی کہ میں نے درویشی اختیار کر لی ہے تو مجھے بلایا۔ جب میں گدڑی پہنے سامنے پہنچا تو بڑی نرمی اور محبت سے ملازمت پر آمادہ کیا مگر میں نے انکار کیا اور حج کی تمنا ظاہر کی۔ جسے بادشاہ نے منظور کر لیا اور میں ملک بشیر کی خانقاہ میں ٹھہر گیا۔ یہ جمادی الثانی کا آخری مہینہ تھا اور ۷۴۲ھ سال تھا۔ رجب سے ۱۰ شعبان تک میں نے چلہ کیا۔ اور رفتہ رفتہ پانچ دن کا روزہ رکھنے لگا۔ پانچویں دن پھیکے چاول کھا لیتا۔ دن بھر قرآن پاک کی تلاوت کرتا۔ اور رات بھر نفلیں پڑھتا چالیس دن پورے ہو چکے تھے کہ بادشاہ نے میرے پاس ایک گھوڑا لونڈیاں، غلام، کپڑے اور خرچ بھیجا۔ عجیب بات یہ کہ شاہی لباس پہننے سے مجھے گرانی محسوس ہوئی اور جو سکون گدڑی میں تھا زرق برق لباس میں نہ ملتا تھا۔

چین کا سفر

بادشاہ کے پاس پہنچا تو پہلے سے زیادہ میری عزت کی اور کہا تجھے سیاحت کا شوق ہے اس لئے میرا خیال ہے کہ اپنا سفیر بنا کر تجھے چین بھیجدوں، بادشاہ کی یہ تجویز میرے دل کی تھی اور میں آمادہ ہوگیا اس سے پہلے شاہ چین کی سفارت آچکی تھی۔ جس نے بادشاہ سے خواہش کی تھی کہ ہمالیہ کے بعض مندروں کو از سر نو بنانے کی اجازت دی جائے، شاہ چین نے اپنی سفارت کے ساتھ بادشاہ کے لئے جو تحفے بھیجے تھے ان کی تفصیل یہ ہے:۔

لونڈیاں اور غلام	ایک سو	مشک	پانچ من
کمخواب کے تھان	پانچ سو	جواہر نگار لباس	۵
سونے کے ترکش	۵	تلواریں	۵

شاہ چین کے تحائف کے جواب میں جو سامان بھیجا گیا اس کی تفصیل یہ ہے:۔

غلام	ایک سو	گانے ناچنے والیاں	ایک سو
اونی کپڑے کے تھان	ایک سو	صلاحیہ کے تھان	ایک سو چار
شیریں باف کے تھان	ایک سو	مرغہ کے تھان	ایک سو

رومی کتان کے تھان	ایک سو	(سیاہ، سرخ، نیلے اور سبز)	
بغیر استین کے چوغے	ایک سو	ڈیرہ	ایک
خیمے	٦	سونے کے شمع دان	٤
چاندی کے شمع دان	٤	سونے کے طشت	٤
چاندی مینا کے کام کے	٤	سونے کے لوٹے	٤
چاندی کے طشت	٦	شاہی زرین خلعت	١٠
زرین ٹوپیاں	٩	جواہر نگار ٹوپی	١
تلواریں	١٠	جن میں ایک کے نیام پر موتی اور جواہرات تھے	
موتی جڑے دستانے	١٠	نوجوان غلام	١٥

یہ تمام سامان کافور شرب دار کی تحویل میں دیا گیا جو بادشاہ کا خاص غلام تھا۔ امیر ظہیر الدین زنجانی کو حکم دیا کہ میرے ساتھ جائیں یہ بڑے فاضل آدمی تھے۔

شاہ چین کا سفیر جس کے ساتھ پندرہ ساتھی اور ایک سو خادم تھے ہمارے ہمراہ تھا۔ بادشاہ نے یہ بھی حکم دیا کہ راستہ بھر ہمیں سرکاری مہمان سمجھا جائے گا اور کھانے پینے کا خرچہ بذمہ سرکار ہو گا۔

چین کا راستہ

ہندوستان کا رواج ہے کہ جب کہیں سفر کرتے ہیں تو دوسری، ساتویں، بارھویں، سترھویں ستائیسویں میں سفر کرتے ہیں۔ ہم بھی ستائیس کو چلے اور سب سے پہلے ہمارا پڑاؤ تل پت میں ہوا جو دہلی سے سات آٹھ میل ہے۔ پھر آؤ

میں پھر بیانہ میں۔ بیانہ بڑا اور خوب صورت شہر ہے۔ بازار بھی خوبصورت ہیں۔ جامع مسجد بھی شاندار ہے۔ مظفر بادشاہ کی دایہ کا بیٹا بیانہ کا حاکم ہے۔

بیانہ کے بڑے علماء میں امام عزالدین زبیری ہیں، میری ان سے ملاقات ہوئی، یہاں سے ہم کوئل (علی گڈھ) پہنچے۔ کوئل میں آموں کے باغ زیادہ ہیں۔ ہمارا قیام شہر کے باہر میدان میں ہوا۔

حضرت شیخ شمس الدین سے بھی ملاقات ہوئی جنھیں تاج العارفین کہتے ہیں نابینا ہیں اور بہت عمر ہے۔ خبر ملی کہ شہر جلالی کو باغیوں نے گھیر لیا ہے اور وہاں کے لوگ سخت تنگ ہیں۔ ہم نے باغیوں کے جتھے پر حملہ کیا اور انھیں تتر بتر کر دیا۔ یہ ایک ہزار سوار اور تین ہزار پیادے تھے۔ ۲۲ سوار اور پچاس پیدل ہمارے بھی کام آئے اور بادشاہ کا غلام کافور بھی مارا گیا جس کے سپرد سفارت کا سامان تھا ہم نے اس واقعہ کی اطلاع بادشاہ کو بھیجدی اور جواب کے انتظار میں ٹھہر گئے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ میں کچھ آدمیوں کے ساتھ سوار ہو کر باہر گیا گرمی کا موسم تھا سامنے باغ نظر آیا اور ہم سب باغ میں چلے گئے اتنے میں شور وغل کی آواز آئی معلوم ہوا کہ لٹیروں نے گاؤں پر حملہ کر دیا۔ ہے ہم نے پیچھا کیا تو سب بھاگ گئے، میرے ساتھی انھیں چار طرف ڈھونڈنے دوڑے اور ہم فقط پانچ آدمی رہ گئے۔

اتنے میں کچھ سواروں نے ہم پر حملہ کر دیا، ہمارے دو آدمی بھاگ گئے اور تین رہ گئے۔ مجھے راستہ معلوم نہ تھا پھر بھی گھوڑے کو ایڑ لگائی اور گھوڑا ہوا ہو گیا۔ کچھ دور نکل آیا۔ یہاں ہر سپاہی کے پاس دو تلواریں رہتی ہیں۔ ایک ترکش میں اور ایک زین میں، زین کی تلوار کو رکابی کہتے ہیں، گھوڑا بھاگا تو میری رکابی تلوار گر پڑی۔ تلوار کا دستہ سونے کا تھا اس لئے میں نے گھوڑا روک کر تلوار اٹھائی اور پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ آگے خندق تھی اور میں خندق میں اتر کر لٹیروں کی آنکھ سے اوجھل ہو گیا۔ خندق میں نالہ تھا جس کے دونوں طرف درخت جھکے ہوئے تھے اور بیچ میں راستہ تھا۔ مجھے بالکل خبر نہ تھی کہ راستہ کہاں گیا ہے مگر میں چلتا رہا۔ کچھ ہی دور چلا تھا کہ چالیس آدمیوں نے مجھے گھیر لیا۔ ان کے ہاتھوں میں کمانیں اور تیر تھے میں زرہ پہنے ہوئے نہ تھا اس لئے ڈرا کہ اگر میں بھاگوں گا تو یہ مجھے تیروں سے چھید ڈالیں گے۔ اسی میں بچت دیکھی کہ ان سے رحم کی درخواست کروں اور زمین پر لیٹ کر اشارہ کیا کہ میں تمہارا قیدی ہوں، انھوں نے گرفتار کر لیا اور کپڑے اتار کر پاجامہ قمیص اور چوغا چھوڑ دیا پھر جھاڑی سے نکل کر ایک نہر پر پڑاؤ ڈال دیا اور مجھے اڑدگی روٹیاں کھانے کو دیں۔ ان کے ساتھ دو مسلمان بھی تھے دونوں نے فارسی میں مجھ سے باتیں کیں اور کہا کہ اب تجھے قتل کیا جائے گا۔ لیکن اگر سردار چاہے تو چھوڑ بھی سکتا ہے۔ میں نے سردار کی بڑی خوشامد کی

مگر وہ کچھ نہ بولا اور اپنے آدمیوں میں سے تین آدمیوں کو میری نگرانی پر مقرر
کر دیا۔ ایک کالا بھجنگا جس کی صورت سے ڈر معلوم ہوتا تھا۔ ایک بوڑھا
اور ایک بوڑھے کا بیٹا، یہ تینوں آدمی مجھے اٹھا کر ایک غار میں لے
گئے اور رات کو سب اسی غار میں سوے، بوڑھے اور کالے کو اگرچہ
بخار چڑھا ہوا تھا۔ مگر اپنے پاؤں رات بھر مجھ پر رکھے رہے صبح کو نہر
پر چلنے کا اشارہ کیا۔ میں سمجھ گیا کہ اب مجھے قتل کریں گے۔ میں نے
بوڑھے کی خوشامد کی۔ اور اپنے قمیص کی دونوں آستینیں پھاڑ کر دے
دیں جس کا مطلب یہ تھا کہ تم قیدی کا بھاگ جانا بتا دینا۔ نہر پہ
گئے تو اور بھی بہت سے لوگ آئے تھے ان میں ایک خوب صورت
نوجوان تھا جس نے مجھ سے اشارہ سے پوچھا کیا میں تجھے چھوڑ دوں؟
میں نے کہا ہاں!! اس نے اشارہ کیا۔ جا!! اور میں چل دیا، تہائی
رات چل کر ایک پہاڑی پر پہنچا اور سو گیا۔ صبح ہوتے ہی پھر چلنے لگا
دوپہر کے وقت ایک اونچے ٹیلہ پر جہاں ببول اور بیروں کے درخت
تھے پہنچ گیا۔ بھوکا تھا بیر کھائے اور آگے چل کر ایک باؤلی میں پانی پیا۔

باؤلی باؤلی ایسے کنوئیں کو کہتے ہیں جس میں پانی تک جانے کے
لئے سیڑھیاں اور چار طرف گنبد دار مکان ہوتے ہیں۔

امیر لوگ اپنے نام سے اکثر ایسی باؤلیاں بنوا دیتے ہیں۔ باؤلی کے کنارہ
پر کچھ سرسوں کی شاخیں پڑی تھیں شاید کسی نے ڈھوئی ہوگی۔ اتنے میں
آہٹ ہوئی۔ میں ایک کھیت میں چھپ گیا جہاں اونچی گھاس

کھڑی تھی اور چالیس سوار زرہ پوش باؤلی کے کنارہ پر اُتر پڑے یہ لوگ
کھیلتے کودتے، غل مچاتے اور نہاتے رہے اور میں دن بھر کھیت میں
چھپا رہا۔ رات ہوتے ہی یہ لوگ چل پڑے اور میں بھی چل پڑا۔ راستہ
میں سرسوں کے پتے کھا کر گذر کی اور ایک ویران گنبد میں جہاں گھاس
اور کوڑا کرکٹ پڑا تھا سو گیا، ایک دفعہ سانپ کی سرسراہٹ بھی
محسوس ہوئی مگر میں نے پروا نہ کی۔

صبح ہوتے ہی سڑک مل گئی اور چند ویران گاؤں سے نکل کر درختوں
کے ایک جھنڈ میں گذرا جہاں ایک تالاب گھر جیسا بنا ہوا تھا۔ اور
کھجوروں کے درخت کھڑے تھے۔ پھر ایک دوسرے ویران گاؤں میں
پہنچ کر مٹی کی ایک کوٹھی میں جس میں غلہ بھرا جاتا ہے گذاری۔ سات
دن تک اسی طرح مارا مارا پھرتا رہا۔ ایک گاؤں میں کھانے کو مانگا
مگر کسی نے نہ دیا اور مولی کے پتے جو اِدھر اُدھر پڑے تھے کھا کر گذر کی
گاؤں والوں میں سے ایک نے تلوار دکھا کر مجھے ڈرایا مگر میں اتنا نڈھال
تھا کہ دیکھا تک نہیں!! اس نے میری تلاشی لی اور جب کچھ نہ ملا تو
میں نے آستین پھٹا ہوا قمیص اتار کر دیدیا اور بمشکل سے دوسرے
گاؤں تک پہنچا۔ پیاس کے مارے برا حال تھا۔ سامنے کچا کنواں تھا۔ مگر
فقط رسی پڑی تھی۔ ڈول نہ تھا میں نے رسی میں موزہ باندھ
کر پانی میں لٹکایا اتنے میں ایک سیاہ فام آدمی نظر آیا جس کے
ہاتھ میں لوٹا، عصا اور کندھے پر جھولی تھی اس نے سلام علیک کی۔

اور مجھ سے حال پوچھا، میں نے کہا۔ بھٹک گیا ہوں، بولا میں بھی بھٹک گیا ہوں۔ پھر لوٹے سے پانی کھینچا اور جھولی سے بھنے چنے اور مرمرے نکال کر دئے کہ تھوڑے کھا کر پانی پی!! پھر وضو کر کے میں نے اور اس نے نماز پڑھی میں نے نام پوچھا تو بتایا میرا نام قلب فارح (خوش دل) ہے۔ میری یہ حالت تھی کہ سر کا نہ جاتا تھا۔ خوش دل نے کہا میرے کندھے پر سوار ہو جا۔ میں نے کہا آپ بوڑھے ہیں میرا بوجھ کیونکر اٹھا سکتے ہیں مگر اس نے قسم دی اور کہا حسبنا اللہ پڑھتا چل اور مجھے کندھے پر سوار کر کے چل دیا۔ مجھے اس کے کندھے پر نیند آ گئی اور کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ مجھے کتنی دور کندھے پر چڑھا کر لایا زمین پر اتارا تو میری آنکھ کھلی مگر خوش دل کا پتہ نہ تھا۔

خوش دل نے جہاں اتارا وہ ایک آباد گاؤں تھا اور حاکم مسلمان تھا۔ تاج پورہ گاؤں کا نام تھا۔ حاکم کو میری خبر پہنچی تو مجھے اپنے گھر لے گیا نہلا دھلا کر گرم گرم کھانا لایا۔ پہننے کو کپڑے اور سواری کے لئے گھوڑا دیا میں حیران ہو گیا کیونکہ یہ میرے ہی کپڑے اور میرا ہی گھوڑا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ الٰہی یہ کون تھا؟ جو مجھے اپنی گردن پر چڑھا کر لایا کہ یکایک مرشدی شیخ عبداللہ کی بات یاد آ گئی جنہوں نے مجھے خبر دی تھی کہ ہندوستان میں میرے بھائی دل شاد ہندی سے ملاقات ہو گی اور وہ تجھے ایک مصیبت سے چھڑائے گا ہو نہ ہو یہ وہی دل شاد تھے۔ قلب فارح کا ترجمہ خوش دل اور دل شاد ہوتا ہے، افسوس

کہ زیادہ دیر ان کی رفاقت میسر نہ آئی۔ اسی رات چل کر میں کیمپ میں پہنچ گیا۔ میرے ساتھی مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے بادشاہ کا جواب بھی آچکا تھا اور بجائے کافور کے اپنے غلام سنبل کو بھیج کر ہدایت کی تھی کہ سفر جاری رکھا جائے۔ کوئل سے چل کر ہمارا پڑاؤ برج پورہ میں میں ہوا۔ یہاں خانقاہ کے شیخ سے ملاقات ہوئی جو صورت اور سیرت دونوں کے اچھے تھے۔ محمد عریاں نام تھا۔ فقط ایک تہمد باندھے ہوئے تھے معلوم ہوا کہ محمد عریاں مصری کے شاگرد ہیں۔ عشاء کی نماز کے بعد جتنا کھانا غلہ بچ جاتا ہے نکال کر غریبوں کو تقسیم کر دیتے ہیں۔ اور چراغ کی بتی بھی پھینک دیتے ہیں۔

برج پورہ سے ہم کالی ندی اور کالی ندی سے قنوج پہنچے۔ قنوج بڑا شہر ہے اور یہاں کا قلعہ بہت مضبوط ہے۔ فصیل بھی خوب اونچی ہے۔ قنوج میں ہماری ملاقات شیخ معین الدین باخرزی سے ہوئی فیروز بدخشانی یہاں کا حاکم ہے۔ قنوج کی شکر مشہور ہے اور دہلی تک جاتی ہے۔ قنوج سے چل کر سنول، وزیر پور، بجاسہ، موری پہنچے۔

موری اگرچہ چھوٹا سا شہر ہے مگر بازار اچھے ہیں۔ یہاں میری ملاقات شیخ قطب الدین حیدر غازی سے ہوئی۔ ان کی عمر ڈیڑھ سو سال کی بتائی جاتی ہے۔ چلے کرتے رہتے ہیں اور چالیس دن میں فقط چالیس کھجوریں کھاتے ہیں۔ دلی میں بھی ایک بزرگ شیخ رجب برقعی کو میں نے دیکھا تھا کہ وہ چالیس کھجوریں لے کر چلے میں بیٹھے اور جب باہر آئے تو

نیزہ[۱۳] کھجوریں باقی تھیں۔

بوری سے شہر مرہ پہنچے۔ جہاں کا گیہوں بہت اچھا ہوتا ہے لمبا دانہ زرد رنگ اور موٹا۔ چین کے سوا ایسا گیہوں میں نے کہیں نہیں دیکھا یہاں کا گیہوں دلی بھی جاتا ہے۔ مرہ مالوے کا شہر ہے۔ مرہ سے ہم علاپور پہنچے۔ یہاں سے ایک دن کی مسافت پر ہندو راجہ کا علاقہ ہے جس کا نام تمشم ہے۔ علاپور کا حاکم بدر حبشی ہے لمبا تڑنگا اور خوب موٹا۔ پوری بکری ایک بیٹھک میں کھا جاتا ہے۔ اوپر سے تین پاؤ گھی پی لیتا ہے یہاں سے ہم گوالیار گئے۔ یہ ایک بڑا شہر ہے۔ اور اس کا قلعہ بھی بہت مضبوط ہے۔ پہاڑی چٹان پر بنا ہوا ہے۔ اونچائی تین سو فٹ اور لمبائی ڈیڑھ دو میل ہے قلعہ کے دروازہ پر پتھر کا ہاتھی اور مہاوت کھڑا ہے۔ شہر کا حاکم احمد بن شیر خاں فاضل ہے۔ گوالیار سے چل کر ہم براون گئے جہاں کا حاکم محمد بن بیرم ترکی ہے۔ شہر کے آس پاس اکثر جنگلی جانور پھرتے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی شہر کا دروازہ بند ہو جانے کے بعد بھی شیر گھس آتا ہے اور آدمیوں کو پھاڑ جاتا ہے، محمد توفیری نے جو اسی شہر کا رہنے والا ہے۔ مجھ سے کہا کہ میرے ہم سایہ کے بچے کو چارپائی سے اٹھا کر شیر لے گیا۔ سنا ہے کہ ایک مرتبہ بارات آئی اور ایک براتی اٹھ کر کسی ضرورت سے باہر گیا تو شیر نے اسے پھاڑ کر بازار میں ڈال دیا۔ خون شیر نے پی لیا تھا اور گوشت جوں کا توں پڑا تھا۔ یہاں کے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ جوگی ہے جو شیر کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ اس ذکر پر مجھے یاد آیا کہ ہندوستان

میں جوگی عجیب عجیب کام کرتے ہیں ان میں بعض ایسے جوگی ہیں جو مہینوں تک کچھ کھاتے پیتے نہیں اور گپھاؤں میں رہتے ہیں۔

گپھا ایک گڑھا ہوتا ہے جس پر عمارت بنائی جاتی ہے اور فقط ایک سوراخ ہوا کے آنے جانے کو رکھا جاتا ہے جس میں سنیاسی اور جوگی بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ بھی سنا کہ ایک ایک برس تک جوگی ان گپھاؤں میں بند رہتے ہیں، میں نے بنگلور میں ایک شخص کو دیکھا پچیس دن سے بغیر کھائے پیئے ایک ڈھول میں بند ہو کر بیٹھا تھا خبر نہیں کتنے دن تک بیٹھا رہے گا سنا ہے کہ جوگیوں کے پاس ایسی گولیاں تیار رہتی ہیں جن کے کھانے سے بھوک پیاس نہیں لگتی۔ جوگی لوگ غیب کی باتیں بتا دیتے ہیں اور عجیب عجیب کرتب دکھاتے ہیں۔ شاہ ہند بھی جوگیوں کی بڑی تعظیم کرتا ہے۔ ان میں زیادہ جوگی ایسے ہوتے ہیں جو گوشت کبھی نہیں کھاتے۔

ڈائن سنا ہے کہ یہاں کی عورتیں بھی یہ کمال رکھتی ہیں کہ جس کو نظر بھر کر دیکھ لیتی ہیں اس کا دل کھا جاتی ہیں اور وہ آن کی آن میں تڑپ کر مر جاتا ہے۔

ایک دفعہ میرے پاس دلّی میں ایک عورت کو لائے اور کہا کہ یہ ڈائن ہے۔ اس نے اپنے پڑوسی کے بچہ کا دل کھا لیا ہے اور وہ مر گیا ہے مقدمہ نائب السلطان کے پاس گیا اور اس ڈائن کو جلا دیا گیا۔

ایک دفعہ بادشاہ نے مجھے خلوت میں بلایا اس وقت کچھ جوگی بادشاہ کے پاس بیٹھے تھے۔ بادشاہ نے میری طرف اشارہ کر کے کہا یہ بڑی دور

سے آیا ہے اسے کوئی ایسی بات دکھاؤ جسے اس نے کبھی نہ دیکھا ہو، یہ سن کر ایک جوگی آلتی پالتھی مار کر بیٹھ گیا اور اونچا ہوتے ہوتے ہوا میں معلق ہو گیا۔ یہ دیکھ کر میں بے ہوش ہو گیا اور جب بادشاہ نے دوا پلائی تو جی ٹھکانے ہوا۔ جوگی جوں کا توں ہوا میں بیٹھا ہوا تھا دوسرے جوگی نے اپنی کھڑاؤں لے کر زمین پر ماریں اور چھوڑ دیں یہ کھڑاؤں بلند ہوئیں اور جوگی کی گردن پر لگنے لگیں جن کے لگتے ہی وہ زمین پر اترنے لگا اور ہمارے پاس آ بیٹھا۔ بادشاہ نے بتایا کہ پہلا شاگرد ہے اور کھڑاؤں والا استاد ہے۔ اگر تیری عقل جاتے رہنے کا ڈر نہ ہوتا تو اس سے بڑھ کر کرتب دکھائے جاتے۔ پھر بھی مجھ پر مدتوں خفقان کا اثر رہا۔ اور میں بیمار ہو گیا اور جب بادشاہ نے خاص شربت پینے کو دیا تو آرام ہوا جوگیوں کو سب سے پہلے میں نے ماوراء النہر کے سلطان کے ہاں دیکھا تھا یہ سب پچاس تھے۔ اور ایک گہرے غار میں رہتے تھے جسے بادشاہ نے بنوا دیا تھا۔ صبح شام سنکھ بجایا کرتے تھے۔ سلطان غیاث الدین دامغانی والئی معبر کے لئے جوگی نے قوت بڑھنے کی گولیاں بنا دی تھیں جن میں فولاد کا کشتہ بھی تھا۔ بادشاہ نے زیادہ گولیاں کھا لیں اور مر گیا۔

یہ تمام باتیں شیر کے ذکر پر مجھے یاد آگئیں اور میں نے پڑھنے والوں کی معلومات کے لئے لکھ دیں۔

بردن سے ہم آموادی گئے اور پھر کچراؤ۔ کچراؤ میں ایک بہت

بڑا تالاب ہے جس کی لمبائی ایک میل ہے۔ تالاب کے کنارے پر بہت سے دیول ہیں جن میں ان گنت مورتیاں رکھی ہیں۔ تالاب کے بیچوں بیچ سرخ پتھر کے تین گنبد اور چاروں کونوں پر ایک ایک گنبد بنا ہوا ہے جن میں جوگی اور مہنت رہتے ہیں۔ ان کے چیلے کچھ مسلمان بھی ہیں جو یوگ سیکھتے ہیں۔ لوگوں نے بیان کیا کہ برص اور جذام کے مریض ان جوگیوں کے پاس آتے ہیں اور اچھے ہو جاتے ہیں۔

یہاں سے ہم چندیری پہنچے۔ چندیری بڑا شہر ہے بازاروں میں بڑی بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ امیر الامراء عز الدین ملتانی جسے اعظم الملک (سب سے بڑا امیر) کہتے ہیں یہیں رہتا ہے۔ فقیہ عز الدین زبیری وجیہ الدین بیانوی، قاضی خاصہ امام شمس الدین جیسے لوگ اس کے مصاحب ہیں۔ بڑا عالم فاضل آدمی ہے۔ چندیری سے ہم دہار پہنچے یہ مالوہ کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہاں گیہوں بہت پیدا ہوتا ہے۔ مالوہ کے پان دہلی تک جاتے ہیں، دہار کی سڑکوں پر میل بنے ہوئے ہیں جن سے مسافر کو معلوم ہو جاتا ہے کہ کتنی مسافت باقی ہے۔

دہار ابراہیم مالدینی کی جاگیر میں ہے۔ ابراہیم نے یہاں کی بنجر زمینوں میں سب سے پہلے خربوزے بوئے اور بڑے میٹھے ہوئے معتبر کے بادشاہ نے خربوزے کھائے اور خوش ہو کر دہار کا علاقہ ابراہیم کو بخش دیا اور حکم دیا کہ ایک خانقاہ بنائی جائے ابراہیم نے خانقاہ بنائی جس سے ہر ایک مسافر کو کھانا ملتا تھا۔

ایک دفعہ تیرہ لاکھ اشرفیاں بادشاہ کی نذر کیں کہ یہ مسافروں کو کھلانے کے بعد بچی ہیں۔ بادشاہ نے یہ بات پسند نہ کی اور کہا کہ مسافروں فقیروں، مسکینوں پر سب کا سب خرچ کرنا چاہئے تھا۔ دھار سے ہم اُجین گئے۔ اُجین خوب صورت شہر ہے۔ مضبوط اور اونچی عمارتیں ہیں۔ ناصر الدین بن عین الملک اور جمال الدین مغربی غرناطہ والے جیسے عالم اور طبیب یہاں رہتے ہیں۔

اُجین سے چل کر ہم دولت آباد پہنچے۔ یہ شہر دہلی کا مقابلہ کرتا ہے۔ ایک حصہ کو دولت آباد کہتے ہیں۔ جس میں بادشاہ اور شاہی فوج کی چھاؤنی ہے۔ دوسرے حصہ کو کٹ کتا اور قلعہ کو دیوگیر کہتے ہیں بے نظیر قلعہ ہے بادشاہ کا استاد خان اعظم قتلغ خاں اسی قلعہ میں رہتا ہے۔ یہ قلعہ ایک چٹان پر تیار ہوا ہے۔ جس پر چمڑے کی سیڑھی لگا کر جاتے ہیں اور رات کو سیڑھی اٹھا لیتے ہیں۔ قلعہ میں بہت سے تہہ خانہ ہیں جن میں مجرم رکھے جاتے ہیں۔ ان تہہ خانوں میں کتنے بڑے بڑے چوہے رہتے ہیں جنھیں دیکھ کر بلی ڈر جاتی ہے۔ رات کو یہ چوہے قیدیوں پر حملہ کرتے ہیں۔ اور بیچارہ قیدی سو نہیں سکتا۔ اگر قیدی بیمار ہو جائے تو چوہے انگلیاں، ناک، کان، اور آنکھیں کھا جاتے ہیں۔ اور قیدی تڑپ تڑپ کر مر جاتا ہے۔

دولت آباد مرہٹوں کا علاقہ ہے۔ یہاں ہندو سوداگر جواہرات کی تجارت کرتے ہیں اور بہت دولت مند ہیں انھیں ساہوکار کہتے ہیں

دولت آباد میں آم اور انار بہت ہوتے ہیں اور سال میں دو دفعہ پھلتے ہیں۔ ایک بڑا بازار گانے والیوں کا بھی ہے۔

دولت آباد سے چل کر ہم نندربار پہنچے۔ یہاں بھی مرہٹے رہتے ہیں ان میں دستکار اور اچھے اچھے منجم اور طبیب ہیں۔ چاول سرسوں کا تیل اور سبزی ان کی غذا ہے۔ گوشت نہیں کھاتے اور کسی جانور کو نہیں ستاتے۔ جب تک غسل نہیں کرتے کھانا نہیں کھاتے شراب بالکل نہیں پیتے اور شراب پینا سخت عیب سمجھتے ہیں ہندوستان کے مسلمان بھی شراب نہیں پیتے اور اگر کوئی مسلمان شراب پی لیتا ہے تو اسی کوڑے مارتے ہیں اور تین دن تک تہہ خانہ میں بند رکھتے ہیں اور سوائے کھانے کے وقت کے نہیں کھولتے۔

یہاں سے ہم ساگر پہنچے۔ ساگر دریا کے کنارے پر آباد ہے۔ آم کیلا اور گنے کی پیداوار زیادہ ہے۔ ساگر والے دین دار اور نیک چلن ہیں۔ خانقاہیں اور تکئے بنا رکھے ہیں۔ جن میں مسافر اترتے ہیں۔

ساگر سے چلے تو کھمبایت پہنچے۔ یہ شہر سمندر کی کھاڑی پر آباد ہے۔ مضبوط اور خوب صورت ہے۔ عمارتیں اور مسجدیں بہت اچھی ہیں۔ یہاں کے رہنے والے زیادہ تر پردیسی سوداگر ہیں۔ سب سے بڑا محل سامری کا ہے۔ اس کا دروازہ شہر کے پھاٹک کی برابر ہے۔ ملک التجار گاذرونی شمس الدین کلاہ دوز کے مکانات

بھی بڑے ہیں۔ ان سب مکانوں کے قریب مسجدیں بھی ہیں۔
کھمبائت کا حاکم مقبل تلنگی ہے۔ مقبل نے ہمیں کھانے پر بلایا۔ شہر کا قاضی کانا تھا اور شریف بغدادی بھی جس کی شکل قاضی سے ملتی جاتی تھی، کانا تھا۔ شریف قاضی کو دیکھ کر ہنسا تو قاضی نے جھڑکا شریف نے کہا غصہ کی بات نہیں۔ میں بہرحال تم سے خوب صورت ہوں کیونکہ میں بائیں آنکھ سے کانا ہوں اور آپ دائیں آنکھ سے، اس پر تمام لوگ ہنس پڑے اور قاضی جھینپ گیا۔

اس شہر میں قاضی ناصر بہت نیک آدمی ہیں۔ جامع مسجد کے ایک حجرہ میں رہتے ہیں۔ دیار بکر کے رہنے والے ہیں۔ ہم نے بھی ان کی زیارت کی۔

دوسرے بزرگ الواسحق ہیں جن کی خانقاہ سے ہر ایک مسافر کو کھانا ملتا ہے اور فقیروں کو نقد روپیہ بھی دیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ان کی دولت کبھی کم نہیں ہوتی بڑھتی ہی رہتی ہے۔ یہاں سے کاوی اور کاوی سے گندھار گئے۔ گندھار کا راجہ سلطان کا ماتحت ہے اس نے ہماری بڑی خاطر کی اور اپنا محل ہمارے لئے خالی کر دیا۔ مسلمان امیروں میں خواجہ بہرہ کے بیٹے اور ناخدا ابراہیم بڑے دولت مندوں میں ہیں۔ ناخدا ابراہیم چھ جہازوں کا مالک ہے۔

ہمارا قافلہ چار جہازوں میں سوار ہوا۔ ایک میں ہم اور تحفہ کے شتر گھوڑے تھے اس جہاز کا نام جاگیر تھا اور ابراہیم کی ملکیت تھا۔

ایک ہیں باقی گھوڑے اور نوکر چاکر یہ ابراہیم کے بھائی کا جہاز تھا اور اس کا نام سورت تھا۔ ایک میں ظہیر الدین کے گھوڑے سنبل غلام اور ان کے ساتھ کے نوکر چاکر رہے۔ یہ کاومی کے راجہ جالنسی کا جہاز تھا جالنسی کے راجہ نے پانی چارہ اور زاد راہ کا بھی انتظام کیا تھا اور ایک جہاز ہیں جس کی شکل غراب کے جیسی تھی اپنے بیٹے کو ہمارے ساتھ کر دیا تھا اس جہاز کا نام عکبری تھا۔ عکبری میں ساٹھ چپو تھے لڑائی کے وقت جہاز پر چھت ڈال دی جاتی ہے تاکہ چپو چلانے والے پتھروں اور تیروں کی زد سے بچے رہیں۔ جاگیر جہاز ہیں جس میں ہم لوگ تھے۔ پچاس تیر انداز اور پچاس حبشی سپاہی تھے۔ یہ لوگ جس جہاز میں ہوتے ہیں اسے باغی اور سمندری ڈاکو نہیں چھیڑتے۔

دو دن بعد ہم جزیرہ بیرم پہنچ گئے۔ یہ جزیرہ غیر آباد ہے۔ اور خشکی سے چار میل ہے۔ یہاں سے ہم نے پانی لیا۔

ایک رات ٹھہر کر قوقا پہنچے۔ پانی اترا ہوا تھا اس لئے چار میل کے فاصلہ پر ہم نے لنگر ڈال دیا۔ اور کشتی میں شہر گئے۔ شہر ایک میل رہ گیا تو کشتی کیچڑ میں پھنس گئی اور میں دو آدمیوں کے سہارے کیچڑ سے نکل کر شہر پہنچا۔ یہاں ایک مسجد ہے جسے حضرت خضر اور الیاس کی مسجد کہتے ہیں۔ قوقا بڑا شہر ہے اور دنکول راجہ یہاں کا حاکم ہے۔ تین دن بعد جزیرہ سندا پور دگوا پہنچے۔ سندا پور میں چھتس گاؤں ہیں اور چاروں طرف کھاڑی ہے۔ چڑھاؤ کے وقت پانی میٹھا ہو جاتا ہے اور اتار پر نمک

جیسا تیز اور کھاری۔

جزیرہ کے وسط میں دو شہر آباد ہیں۔ ایک مسلمانوں کا بسایا ہوا ہے اور ایک ہندوؤں کا۔ جامع مسجد بھی ہے بالکل بغداد کے نمونہ کی۔ اس مسجد کو ناخدا حسن نے تعمیر کرایا ہے۔ یہاں سے چل کر ہم ایک چھوٹے سے جزیرہ میں پہنچے جو خشکی کے بالکل قریب تھا۔ جزیرہ میں گرجا گھر اور باغ اور تالاب تھا۔ یہاں میری ملاقات ایک جوگی سے ہوئی۔ یہ جوگی دیول میں دو مورتوں کے بیچ میں دیوار سے تکیہ لگائے بیٹھا تھا اس کے چہرہ سے عبادت اور ریاضت کے نشان ظاہر ہوتے تھے۔ ہم نے باتیں کرنی چاہیں مگر وہ کچھ نہ بولا۔ ہم نے دیکھا کہ اس کے پاس کھانے پینے کا سامان کچھ نہ تھا۔ یکایک اس نے ایک چیخ ماری۔ اور تازہ ناریل درخت سے ٹوٹ کر گر پڑا۔ ناریل جوگی نے ہمیں دے دیا ہم نے کچھ اشرفیاں دینی چاہیں مگر اس نے نہ لیں۔ کھانے کی چیزیں دیں وہ بھی نہ لیں۔ جوگی کے سامنے اونٹ کی کھال کا ایک چوغہ پڑا ہوا تھا۔ چوغا اُلٹ کر میں دیکھنے لگا تو جوگی نے چوغا اٹھا کر مجھے دیدیا۔ جوگی میرے ہاتھ کی تسبیح دیکھنے لگا۔ اور جب میں نے تسبیح نذر دی تو لے کر سونگھا اور رکھ لیا اور آسمان کی طرف اور پھر قبلہ کی طرف اشارہ کیا۔ میرے ساتھی کچھ نہ سمجھے مگر میں سمجھ گیا کہ مسلمان ہے۔ اور جزیرہ والوں کے سبب اپنا اسلام ظاہر نہیں کرتا اور ناریل کھا کر گذر کرتا ہے۔ رخصت ہونے وقت میں نے اس کے ہاتھ چومے۔ میرے ساتھی

بگڑنے لگے اس نے بھی میرے ہاتھ چومے اور اشارہ کیا کہ جاؤ سب سے
پیچھے میں تھا جوگی نے میرا دامن کھینچا اور چپکے سے دس اشرفیاں مجھے
دے دیں۔ باہر نکل کر ساتھیوں نے پوچھا کہ جوگی نے دامن کیوں کھینچا
تھا تو میں نے بتا دیا کہ اس نے مجھے دس اشرفیاں دی ہیں۔ تین
اشرفیاں میں نے ظہیر الدین کو دیدیں اور تین سنبل کو اور بتا دیا کہ
جوگی مسلمان ہے۔ آسمان کی طرف اشارہ کرنے کا مطلب یہ تھا کہ خدا
پر میرا ایمان ہے اور قبلہ کی طرف اشارہ کا مطلب یہ تھا کہ پیغمبر کو مانتا
ہوں اور اسی لئے تسبیح مجھ سے لے لی۔ یہ سن کر دونوں پھر واپس گئے۔
مگر جوگی نہ ملا۔ اور یہ دونوں چھ اشرفیاں رکھ کر چلے آئے۔ دوسرے
دن صبح کو ہیوز پہنچے۔ یہ شہر ایک بڑی کھاڑی پہ سمندر سے نصف میل
پر بسا ہوا ہے۔ برسات میں سمندر چڑھ جاتا ہے اور ایسا طوفان رہتا ہے
کہ چار مہینہ تک مچھلی کے شکار کے سوا سمندر تک کوئی نہیں جاتا یہاں
میرے پاس ایک جوگی آیا۔ اور چھ اشرفیاں دے گیا۔ یہ وہی اشرفیاں
تھیں جنھیں میرے ساتھی مندر میں چھوڑ آئے تھے۔

ہیوز والے شافعی ہیں اور دین دار ہیں۔ یہاں کے بزرگوں میں
شیخ محمد ناگوری بڑے متقی ہیں اور پرہیز گار ہیں۔ کھانا اپنے ہاتھ سے پکاتے
ہیں۔ لونڈیوں کے ہاتھ کا پکا ہوا نہیں کھاتے، فقیہ اسمٰعیل بھی ہیوز
میں رہتے ہیں۔ شہر کا قاضی نور الدین علی ہے۔ یہاں کی عورتیں ساریاں
باندھتی ہیں۔ ناک میں نتھ پہنتی ہیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ سب کی سب

حافظ قرآن خوب صورت اور باعصمت ہیں۔ تیئس ۲۳ مکتب لڑکوں کے اور تیرہ لڑکیوں کے ہیں۔ سب لوگ بحری تجارت کرتے ہیں کھیتی باڑی نہیں کرتے۔

یہاں کا سلطان جمال الدین حسن بھی بہت نیک بخت ہے ہمیشہ جماعت سے نماز پڑھتا ہے۔ صبح ہونے سے پہلے مسجد چلا جاتا ہے جماعت کے وقت تک قرآن کی تلاوت کرتا رہتا ہے۔

جب تک میں رہا افطار کے وقت بلا لیتا، فقیہ علی اور اسمٰعیل بھی افطار میں شریک رہتے۔ اول چار کرسیاں بچھائی جاتیں، جن پر ہم لوگ بیٹھ جاتے، پھر تانیہ کا خوان آتا جسے خونچہ کہتے ہیں۔ اس پر تانبے کا طباق ہوتا، پھر ایک خادمہ ریشمی لباس پہنے کھانے کی دیگچیاں اور تانبہ کے چمچے لے کر آتی۔ پھر طباق میں ایک چمچہ بھر چاول اور گھی ڈالتی۔ ایک طرف مرچ لیموں ادرک اور آم کا اچار رکھ دیتی ہر لقمہ اچار کے ساتھ کھایا جاتا۔ پھر دوسرا چمچہ بھر کر ڈالتی اور مرغ کا گوشت سرکہ میں پکا ہوا ڈالتی۔ یہ ختم ہوجاتا تو تیسرا چمچہ ڈالتی اور مرغ کا دوسری قسم کا گوشت ڈالتی اور قسم قسم کی پکی ہوئی مچھلیاں ڈالتی۔ پھر سبزی ڈالتی۔ کھانا ختم ہوجاتا تو دہی کی لسی لاتی۔ پینے کے لئے گرم پانی آتا۔ یہ لوگ فقط چاول کھاتے ہیں۔ ایک دفعہ مجھے یہاں گیارہ مہینے رہنا پڑا مگر روٹی ایک دفعہ نہ ملی۔

جزائر مالدیپ، سیلان، ملا بار اور معبر میں بھی چاول کے سوا کچھ

نہیں کھاتے۔

بادشاہ کا لباس یہاں کا بادشاہ ریشم اور باریک کتان کا لباس پہنتا ہے اور کمر میں چادر باندھتا ہے۔ اور دو رضائیاں ایک پر دوسری لگا کر ڈال لیتا ہے۔ بالوں کو گوندھا ہوا رکھتا ہے اور چھوٹا سا عمامہ باندھ لیتا ہے۔ سوار ہوتے وقت عبا پہنتا ہے اور اوپر رضائی اوڑھ لیتا ہے۔ سواری کے آگے نوبت نقارے بجاتے جاتے ہیں

ملیبار تین دن بعد ہم ملیبار پہنچ گئے۔ یہاں سیاہ مرچ کی پیداوار ہوتی ہے۔ ملیبار کی حدیں دریا کے کنارے کولم تک چلی گئی ہیں۔ سڑک پر دونوں طرف سایہ دار درخت ہیں۔ ہر آدھ میل پر لکڑی کا مکان ہے۔ دکانیں اور چبوترے ہیں جن میں ہر مذہب و ملت کا مسافر آرام کر سکتا ہے ہر گھر کے پاس کنواں ہے جس پر پیاؤ لگی رہتی ہے۔ ہندوؤں کو لٹیا سے اور مسلمانوں کو اوکھ سے پانی پلایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو گھر کے اندر آنے نہیں دیتے نہ اپنے برتن میں کھانا کھلاتے ہیں لیکن اگر کسی مسلمان کا گھر قریب نہ ہو تو مسافر کا کھانا پکا دیتے ہیں۔ اور کیلے کے پتے پر اوپر سے ڈال دیتے ہیں۔ عموماً ہر منزل پر مسلمانوں کے گھر ہیں جہاں مسلمان مسافر ٹھہر سکتا ہے۔ آبادی برابر چلی گئی ہے۔ ہر گھر کے چاروں طرف پھلواریاں ہیں اور لکڑی کے جنگلے ہیں۔ تمام سڑک باغوں کے بیچ میں سے گذری ہے۔ ایک باغ ختم ہوتا ہے تو سیڑھیاں ملتی ہیں جن سے اتر کر دوسرے باغ میں پہنچ جاتے ہیں اور پھر سڑک

پر چلنے لگتے ہیں گویا باغوں میں چلتے ہیں۔
گھوڑے پر بادشاہ کے سوا دوسرا کوئی سوار نہیں ہوتا۔ یا تو پالکیوں اور ڈولوں پر چلتے ہیں۔ ورنہ پیدل سفر کرتے ہیں۔ سامان کے لئے مزدور آسانی سے مل جاتے ہیں۔ بعض سوداگروں کے ساتھ سو سو مزدور ہوتے ہیں۔ جن پر سامان لدا رہتا ہے۔ ہر ایک مزدور کے ہاتھ میں ایک لمبی لکڑی ہوتی ہے جس میں لوہے کی نوک لگی رہتی ہے۔ مزدور تھک جاتا ہے اور سامان رکھنے کی کوئی جگہ نہیں ملتی تو زمین میں لکڑی گاڑ کر گٹھری لکڑی پر لٹکا دیتا ہے اور کمر سیدھی کر کے پھر چل کھڑا ہوتا ہے۔

امن اس ملک کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہاں حد درجہ امن ہے چوری کا نام نشان نہیں۔ ایک ناریل کی بھی چوری ہو جائے تو چور قتل کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ یہ لوگ مسلمانوں کو اپنے گھر میں نہیں آنے دیتے نہ اپنے برتنوں میں کھانا کھلاتے ہیں مگر تعظیم اور عزت حد درجہ کرتے ہیں۔
ملیبار میں بارہ راجہ ہیں۔ سب سے بڑے راجہ کا لشکر پندرہ ہزار ہے اور سب سے چھوٹے کا تین ہزار۔ مگر ایک دوسرے سے جھگڑا کبھی نہیں کرتا۔ یہ بھی دستور ہے کہ راجہ کے مالک بیٹے نہیں ہوتے بھانجے ہوتے ہیں یا تو یہ رواج یہاں ہے یا سوڈان میں ہے
ملیبار کا سب سے پہلا شہر جہاں ہم داخل ہوئے ابی سرور ہے

ابی سرور چھوٹا سا شہر ہے جہاں ناریل کے درخت بکثرت ہیں۔ مسلمانوں
میں سب سے بڑا آدمی شیخ جمعہ ہے۔

دو دن بعد ہم فاکنور پہنچے۔ فاکنور کا پونڈا بہترین ہوتا ہے یہاں
کے دولت مندوں میں حسین سلاط ہے۔ جس نے فاکنور میں جامع مسجد
بھی بنوائی ہے۔ خطیب اور قاضی مقرر ہے۔ راجہ کا نام باسدیو ہے جس
کے پاس تیس جنگی جہاز ہیں اور ان جہازوں کا سب سے بڑا افسر مسلمان
ہے۔ جب کوئی جہاز یہاں آتا ہے تو اسے تین دن یہاں ٹھہرنا پڑتا ہے
اور بندرگاہ کا ٹیکس بھی دینا پڑتا ہے مگر یہ ٹیکس ہم سے نہیں لیا گیا اور
ہم تین دن راجہ کے مہمان رہے۔

تین دن بعد ہم منجرور پہنچے۔ یہ بڑا شہر ہے۔ یمن اور فارس کے
سوداگر اکثر یہاں آتے ہیں۔ خاص پیداوار میں سونٹھ اور کالی مرچ
ہے۔ راجہ کا نام رام دیو ہے اور ملیبار کے راجاؤں میں سب سے بڑا
راجہ ہے۔ منجرور میں چار ہزار مسلمان ہیں اور سب کے سب شہر کے باہر
الگ تھلگ رہتے ہیں۔ شہر والوں اور ان میں جب کبھی لڑائی جھگڑا
ہو جاتا ہے تو راجہ میل ملاپ کرا دیتا ہے۔ شہر میں شافعی مذہب کا
ایک قاضی بھی ہے جس کا نام بدر الدین معتری ہے۔

یہاں سے ہم ہیلی پہنچے۔ ہیلی کھاڑی کے کنارے پر آباد ہے۔
ہیلی شہر کو ہندو مسلمان دونوں متبرک سمجھتے ہیں۔ یہاں کی جامع مسجد
بڑی بابرکت سمجھی جاتی ہے جس میں طالب علموں کی تعلیم اور کھانے کا

انتظام ہے۔ مسافروں اور فقیروں کو بھی کھانا دیا جاتا ہے۔ یہاں میری ملاقات سعید مقدشی سے ہوئی۔ بہت نیک آدمی ہیں ہمیشہ روزہ سے رہتے ہیں اور نہایت نورانی شکل وصورت کے ہیں۔ کہتے تھے کہ میں چودہ سال مکہ معظمہ اور چودہ سال مدینہ منورہ میں رہا ہوں۔ یہیں سے ہم جرفتن پہنچے۔ راجہ کا نام کوئل ہے اس کے پاس بہت سے جہاز ہیں اور عمان، فارس اور یمن میں تجارت کے لئے جاتے ہیں۔

پھر دہ فتن پہنچے۔ جہاں ناریل، سیاہ مرچ، چھالیہ اور پان کی پیداوار ہے۔ کیلہ بھی بکثرت اور سستا ملتا ہے۔ یہاں ایک باولی ہے پانسو قدم لمبی اور تین سو قدم چوڑی، کناروں پر اٹھائیس بڑے بڑے گنبد ہیں اور بیچ میں تین منزل کا ایک بڑا گنبد ہے۔ سامنے جامع مسجد ہے۔ جامع مسجد سے بھی باولی میں جانے کا راستہ ہے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ معلوم ہوا کہ باولی اور جامع مسجد راجہ کوئل کے دادا کی بنائی ہوئی ہے۔ جامع مسجد کے سامنے ایک بڑا درخت ہے جسے درخت شہادت کہتے ہیں اس کے چار طرف دیوار ہے اور ایک محراب ہے۔ خریف کے موسم میں (نومبر، دسمبر) درخت کا ایک پتا پہلے زرد ہوجاتا ہے پھر سرخ رنگ کا ہوکر گر پڑتا ہے۔ پتے پر صاف حروف میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوتا ہے۔ یہ پتا آدھا مسلمان لے لیتے ہیں اور آدھا بادشاہ کے خزانہ میں جمع ہوجاتا ہے سنا ہے کہ اس پتہ کو دھو کر پلانے سے اکثر بیمار اچھے ہوجاتے ہیں۔ راجہ

کے مرجانے کے بعد بیٹے نے درخت اکھڑوا دیا۔ مگر درخت پھر ابھر اور
پہلے سے زیادہ سرسبز ہو گیا۔ اور راجہ مر گیا۔ یہ موجودہ راجہ کے باپ
کا قصہ ہے۔ اس کا ذکر مجھ سے فقیہ حسین نے کیا اور یوں بھی عام طور
سے مشہور ہے۔

یہاں سے ہم بدتنن گئے، بدتنن کا بندرگاہ بہت خوب صورت
ہے۔ مسلمان کوئی نہیں رہتا۔ سمندر کے کنارے پر ایک مسجد ہے اور
اسی مسجد میں مسلمان مسافر آتا ہے تو ٹھہر جاتا ہے۔ چھالیہ کی پیداوار
زیادہ ہے ہندوستان اور چین تک جاتی ہے۔ برہمن یہاں زیادہ ہیں

منڈرینا

یہاں سے منڈرینا پہنچے۔ منڈرینا میں مسلمانوں کے
تین محلے ہیں ہر محلہ میں مسجد ہے۔ جامع مسجد دریا
کے کنارے پر ہے جہاں سے سمندر کا عجیب نظارہ ہے۔ یہاں کا
قاضی اور خطیب عمان کا رہنے والا ہے۔ گرمیوں میں چین کے جہاز
یہاں آکر ٹھہرتے ہیں۔

کالی کٹ

یہاں سے کالی کٹ گئے۔ کالی کٹ مالابار کا بہت
بڑا بندرگاہ ہے۔ چین۔ جاوا۔ سیلان۔ مالدیپ۔
یمن اور فارس اور دنیا کے دوسرے حصوں کے تاجر یہاں آتے
ہیں۔ راجہ کا نام سامری ہے اور بڑی عمر ہے، یہاں فرنگی بھی رہتے
ہیں۔ راجہ فرنگیوں کی طرح داڑھی منڈاتا ہے۔ شاہ بندر بحرین کا
باشندہ ابراہیم ہے۔ بڑا عالم اور سخی ہے ہر جگہ کے سوداگر اس کے

گھر پہ مہمان رہتے ہیں۔

قاضی کا نام فخر الدین عثمان ہے اور خانقاہ کا شیخ شہاب الدین گاذرونی ہے۔ جب ہم کالی کٹ پہنچے تو راجہ کے نائب نے جسے فلاح کہتے ہیں ہمارا استقبال کیا۔ اس کے ساتھ شیخ شہاب الدین، ابراہیم شاہ بندر اور بڑے بڑے سوداگر تھے۔ یہ لوگ جلوس بنا کر نوبت نقارے بجاتے ہوئے ہمیں لے گئے۔ آج کل چین کے تیرہ جہاز یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ موسم کا انتظار ہے۔ تین مہینہ تک ہم بھی راجہ کے مہمان رہے اور موسم کا انتظار کرتے رہے، چینی سفر میں جب تک چین کے جہاز ساتھ نہ ہوں سفر نہیں کیا جا سکتا۔

چینی جہاز تین قسم کے ہوتے ہیں۔ بڑے جہازوں کو جنک کہتے ہیں۔ درمیانی کو کوزو اور چھوٹے کو کگم۔

بڑے جہاز کے بارہ مستول ہوتے ہیں اور چھوٹے کے تین مستول بید کے بنائے جاتے ہیں۔ بادبان بورئے کے جیسے بنے ہوئے ہوتے ہیں ضرورت کے وقت بادبانوں کو ہوا کے رخ پر پھیر دیا جاتا ہے گراتے نہیں ہیں۔ ہر ایک جہاز میں ہزار آدمی ہوتے ہیں۔ چھ سو جہاز کے عملہ کے آدمی اور چار سو سپاہی ہر بڑے جہاز کے نیچے تین چھوٹے جہاز ہوتے ہیں۔ ملازم اور سپاہی ہمیشہ جہاز میں اور ان کے بیوی بچے بھی جہاز ہی میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ لکڑی کے بڑے گملے بنا کر سبزیاں اور ادرک وغیرہ بو دیتے ہیں اور کام چلاتے رہتے ہیں یہ چین سے

زیادہ کسی ملک والے مالدار نہیں ہیں۔

جہاز کی تباہی

چین جانے کا وقت آیا تو راجہ سامری نے ہمارے لئے ایک جنگ تیار کرا دیا۔ جہاز کے وکیل سے میں نے کہا کہ مجھے ایک مصریہ چاہیئے۔ مصریہ جہاز کے اس کمرے کو کہتے ہیں جس میں دوسرا کوئی نہیں جا سکتا۔ چین کے سوداگروں نے تمام مصرے روک لئے تھے اور پیشگی کرایہ دیدیا تھا۔ مگر وکیل نے اپنے داماد کا مصریہ مجھے دیدیا۔ میں نے اسباب لادنے کا حکم دے دیا۔ ظہیر الدین اور سنبل بھی سوار ہو گئے۔ سفارت کا سامان ان کے ساتھ تھا۔

میرے غلام ہلال نے کہا مصریہ تنگ ہے کام نہیں چلے گا۔ ناخدا سے ذکر کیا تو اس نے کہا مجبوری ہے۔ ککم میں بہتر سے بہتر مصریہ ملسکتا ہے چنانچہ میں نے اپنا سامان اور کنیزیں وغیرہ ککم میں بھجوا دیں۔

سب جنگ چل پڑے ایک جس میں سفارت کے تحفے تھے ایک جسے فندرینا ٹھہرتا تھا اور ایک ککم جس میں میرا سامان تھا رکے ہوئے تھے۔

صبح کو جنگ اور ککم دونوں بندرگاہ سے دور فاصلے پر جا پڑے اور وہ جنگ جسے فندرینا ٹھہرتا تھا موج سے ٹکرا کر ڈوب گیا۔ سوار یا کچھ بچیں باقی ڈوب گئیں۔ سوداگر کی ایک کنیز بھی ڈوبی، سوداگر نے کنیز کو زندہ نکال کر لانے پر دس اشرفیاں انعام مقرر کیں

جسے ہرمز کا ایک جہازی نکال لایا۔ مگر اشرفیاں نہ لیں اور کہہ دیا۔ میں نے خدا واسطے یہ کام کیا ہے۔ رات کو ایک موج ہمارے جنک سے ٹکرائی اور سب جہاز والے ختم ہو گئے۔

ظہیر الدین کا سر پھٹ گیا اور بھیجہ نکل پڑا تھا۔ سنبل کے کان سے لوہے کی میخ آر پار ہو گئی تھی۔ ہم نے ان کے جنازے کی نماز پڑھی۔ اور دفن کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اتنے میں کالی کٹ کا راجہ آتا دکھائی دیا۔ اس وقت راجہ ننگے پاؤں دھوتی باندھے ہوئے تھا اور سر پہ چھوٹی سی پگڑی بندھی ہوئی تھی۔ غلام چھتر لگائے ہوئے تھا اور سامنے مشعل جلتی ہوئی آ رہی تھی۔ سپاہی لوگوں کو مارتے اور ڈانٹتے چلے آ رہے تھے کہ جو چیز سمندر کے کنارے پڑی ہوئی ہے اسے کوئی نہ اٹھائے۔

مالابار کا قانون ہے کہ ایسا مال سرکاری خزانہ میں چلا جاتا ہے۔ لیکن کالی کٹ میں ایسا نہیں ہے اور راجہ کا حکم ہے کہ ایسا کل مال جہاز والوں کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہازوں کی آمد و رفت کالی کٹ میں زیادہ ہے اور شہر نہایت آباد ہے۔

ککم والوں نے جنک کا یہ حشر دیکھا تو بادبان اٹھا کر چل دئے اور میرا تمام سامان کنیزیں وغیرہ بھی چلی گئیں اور یہ کسی نے خیال نہ کیا کہ میں اکیلا کنارہ پر رہ گیا ہوں۔ اس وقت میرے پاس بس وہی دس اشرفیاں تھیں جنھیں جوگی نے مجھے دیا تھا۔ اور

ایک بستر تھا لوگوں نے کہا کہ یہ کُگم کولم میں ٹھہرے گا۔ اس لئے میں خشکی کے راستے کولم چل نکلا۔

خشکی اور نہر کے راستے سے کولم دس منزل ہے ایک مسلمان مزدور کو میں نے ساتھ لے لیا۔ جس کے سر پہ میرا بستر اتھا۔ اور نہر کے راستے سے چلنے لگا۔ جو لوگ نہر سے سفر کرتے ہیں۔ رات ہونے پر بستی میں ٹھہر جاتے ہیں۔ اور صبح کو کشتی پر آجاتے ہیں۔

پانچویں دن ہم کنجی کری پہنچے۔ جہاں یہودی رہتے ہیں دسویں دن کولم پہنچ گئے۔

کولم مالابار کا سب سے خوب صورت شہر ہے۔ بازار بہت اچھے ہیں۔ شہر کے قاضی کا نام قزوین ہے۔ دولت مند مسلمانوں میں محمد شاہ بندر ہے۔ مالابار کے شہروں میں کولم چین سے زیادہ قریب ہے۔ راجہ کا نام جترورتی ہے۔ مسلمانوں کی بےحد عزت کرتا ہے۔ یہاں چوروں کو نہایت سخت سزا دیجاتی ہے۔

ایک دفعہ کولم کا راجہ اور اس کا داماد ساتھ ساتھ جا رہے تھے راجہ کے داماد نے ایک آم درخت کے نیچے سے اٹھالیا۔ جوں ہی راجہ نے اپنے داماد کی یہ حرکت دیکھی حکم دیا کہ دو ٹکڑے داماد کے اور دو ٹکڑے آم کے کر دئے جائیں اور سڑک کے دونوں کناروں پر رکھ دئے جائیں تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور چوری کی ہمت نہ رہے ایسا ہی ایک دوسرا قصہ ہے کہ راجہ کے نائب کے بھتیجے نے

مسلمان سوداگر کی تلوار چھین لی۔ سوداگر نے شکایت کی تو نائب نے تسلی دی جس وقت بھتیجہ آیا تو نائب نے اس کی کمر میں سوداگر کی تلوار بندھی دیکھ کر بھتیجہ کی گردن اڑا دی۔ اور تلوار سوداگر کو دیدی۔

شاہ چین کے سفیروں کا جنک کولم پہنچ گیا۔ مگر میرے کلم کا اب تک پتہ نہ تھا۔ سفیروں کا جنک بھی ٹوٹ گیا تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ کولم سے دہلی واپس جاکر سب حال بادشاہ سے بیان کردوں مگر یہ سوچ کر ڈر گیا۔ کہ اگر بادشاہ نے پوچھا کہ تو سامان سے الگ کیوں ہوا تھا تو میں کیا جواب دوں گا۔ اس لئے ہنوز آگیا۔

سلطان جمال الدین نے باون ۵۲ جہاز تیار کئے تھے۔ سنداپور پر چڑھائی کی تیاری تھی۔ چڑھائی کے وقت میں بھی سلطان کے ساتھ تھا۔ خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی اور سلطان کامیاب ہوگیا۔ میں جہاز پر سوار ہوکر شالیات پہنچا اور واپس کالی کٹ آگیا۔ یہاں میرے دو غلام مل گئے۔ جو کلم سے چلے گئے تھے اور مجھ سے الگ ہوگئے تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ جاوا کے راجہ نے کلم کا سارا مال اور کنیزیں چھین لیں اور میرے ساتھی جاوا، چین اور بنگالہ میں سرگرداں پھر رہے ہیں یہ حال معلوم ہوکر مجھے سخت رنج ہوا۔

مالدیپ کے جزیرے

مالدیپ کے جزیروں کی میں نے بہت تعریف سنی تھی۔ یہ بھی دنیا کے عجائبات میں سے ہیں۔ سب جزیرے دو ہزار کے قریب ہیں۔

تو جزیروں کا مجموعہ دائرہ کی شکل کا ہے جس میں فقط ایک دروازہ ہے اور اسی دروازہ سے جہاز آتے جاتے ہیں۔ جب تک یہاں کا باشندہ راستہ نہ بتاتا رہے ایک جزیرہ سے دوسرے جزیرہ تک جانا مشکل ہوجاتا ہے اور ہوا کا رخ جہاز کو معبر یا سیلان میں پھینک دیتا ہے یہاں کے باشندے زیادہ تر مچھلی کھاتے ہیں۔ جسے قلب الماس کہتے ہیں۔ گوشت سخت ہوتا ہے اور اس کی بو، چوپایہ گوشت سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ یہ مچھلی ہندوستان چین اور یمن بھی جاتی ہے، ناریل کی پیداوار بکثرت ہے۔ جسے مچھلی کے ساتھ کھاتے ہیں۔ ناریل کا دودھ، ناریل کا شہد اور تیل بھی بنایا جاتا ہے اور شہد کا حلوا بھی بناتے ہیں۔ لیمو اور اروی بھی بکثرت ہے۔ اروی کی جڑوں کو پیس کر سوئیاں بناتے ہیں۔ اور ناریل کے دودھ میں پکا کر کھاتے ہیں۔

مالدیپ والے

مالدیپ والے بڑے نیک بخت اور ایمان دار ہیں حلال کی روزی کھاتے ہیں۔ جو کوئی ان سے بات کرتا ہے کہتے ہیں، رب میرا اللہ ہے اور نبی میرا محمدؐ ہے میں غریب جاہل ہوں۔

ہندوستان کے لٹیرے بھی انھیں نقصان نہیں پہنچاتے لٹیروں کا تجربہ ہے کہ جو کوئی ان لوگوں کا مال چرا لیتا ہے مصیبت میں مبتلا ہوجاتا ہے جب کبھی لٹیروں کے جہاز جزیرے کے آس پاس آجاتے ہیں ان لوگوں کو نہیں پکڑتے اور اگر کوئی ان کا لیمو بھی چرا کر لے جاتا

ہے اور لٹیروں کے سردار کو معلوم ہو جاتا ہے تو چرانے والے ڈاکو کو سخت سزا دیتا ہے۔

یہ تمام لوگ پاک و صاف رہتے ہیں اور دن میں دو مرتبہ غسل کرتے ہیں۔ عطر اور خوشبو کا زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ صبح کی نماز کے بعد ہر عورت اپنے خاوند اور بچوں کے بدن پر اُبٹن ملتی ہے۔ جس میں عنبر، لوبان، گلاب، تیل اور خوشبودار عرق ہوتے ہیں۔ اور آنکھوں میں سرمہ لگاتی ہے۔ ان کے گھر لکڑی کے ہیں۔ جن کا فرش زمین سے اونچا رکھتے ہیں۔ دو دو تین تین گز کے پتھر تراش کر ملا دیتے ہیں اور ان لمبے پتھروں کا فرش بنا لیتے ہیں۔ پھر ناریل کے تختے بچھا کر لکڑی کی دیواریں کھڑی کر دیتے ہیں۔ ان کے مکانوں میں بے حد صفائی اور کاریگری ہوتی ہے۔ صدر دروازہ، صدر دروازہ سے ملا ہوا دیوان خانہ دیوان خانہ سے ملا ہوا زنان خانہ۔ دیوان خانہ کو مالم کہتے ہیں۔ ہر دیوان خانہ میں پانی سے بھرا ہوا مٹکا رکھا رہتا ہے۔ جس میں ناریل کا ڈونگا پڑا رہتا ہے اور قریب ہی ناریل کا پاندان پڑا رہتا ہے۔

بجائے پاجامہ کے کمر سے چادریں باندھتے ہیں۔ سر پر عمامہ یا رومال باندھتے ہیں۔ جوتیاں کوئی نہیں پہنتا۔ گلیاں اور راستے ہر وقت صاف رہتے ہیں جن کے دونوں طرف سایہ دار درخت لہلہاتے ہیں اور چلنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ باغ میں چل رہا ہے۔ گھر میں یا مسجد میں جاتے ہیں تو اول ڈونگے سے پانی نکال کر پاؤں دھوتے

ہیں۔ پھر پائیدان سے رگڑ کر اندر جاتے ہیں۔ کوئی جہاز آتا ہے تو کشتیاں لے کر جاتے ہیں اور آنے والوں کا استقبال کرتے ہیں اور جب کسی کو مہمان بناتے ہیں پان اور کھوپرہ دیتے ہیں اور وہ شخص مہمان سمجھا جاتا ہے اپنے مہمان کا اسباب لاد کر گھر لاتے ہیں۔ ایسے جیسے ان کا کوئی عزیز ہے۔ مٹی کے برتنوں کے بدلے میں مرغیاں دیدیتے ہیں اور ایک ہانڈی کے بدلے میں پانچ چھ مرغیاں مل جاتی ہیں۔

جہاز والے یہاں سے مچھلی کا گوشت ناریل سوتی چادریں عمامے تانبے کے برتن کوڑیاں اور ناریل کی رسیاں لے جاتے ہیں۔ جنہیں کوٹ کر جہازوں کے رستے بنائے جاتے ہیں۔ یہ رسّے یمن ہندوستان اور چین میں فروخت ہوتے ہیں۔ پتلی رسیوں سے ہندوستان والے جہازوں کے جوڑ کس کر باندھ دیتے ہیں اور ایسے جہاز پتھروں سے ٹکرا کر نہیں ٹوٹتے۔

کوڑیاں جزیروں میں کوڑیوں کا سکہ چلتا ہے۔ سو کوڑیوں کو سیا کہتے ہیں۔ سات سو کو فال بارہ ہزار کو کتی۔ لاکھ کو بستو چار بستو کی قیمت ایک اشرفی ہوتی ہے۔ کوڑیاں کبھی سستی ہو جاتی ہیں کبھی مہنگی۔ بنگال والے کوڑیاں لے کر چاول دے جاتے ہیں۔ کیونکہ کوڑیاں بنگال میں بھی چلتی ہیں۔

کوڑیوں کا رواج یمن اور سوڈان میں بھی ہے۔ یمن میں انھیں ریت کی جگہ جہازوں میں بچھایا جاتا ہے

مالدیپ کی عورتیں

مالدیپ کی عورتیں بالوں میں کنگھی کر کے جوڑا باندھ لیتی ہیں اور اپنا سر کھلا رکھتی ہیں۔ حد یہ کہ یہاں کی ملکہ بھی سر کو ننگا رکھتی ہے۔ بعض عورتیں ایک چادر ناف کے نیچے باندھ لیتی ہیں اور یہ چادر پاؤں تک لٹکی رہتی ہے باقی تمام بدن ننگا رہتا ہے اور اسی طرح بازاروں اور گلیوں میں پھرتی رہتی ہیں۔ جس زمانہ میں میں یہاں کا قاضی ہوا بڑی کوشش کی کہ یہ بے شرمی کا رواج چھوٹ جائے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ یہ عورتیں چاندی کے کنگن زیادہ پہنتی ہیں اور کہنیاں تک کنگنوں سے بھر لیتی ہیں۔ سونے کے کنگن شاہی خاندان کی عورتوں کے سوا کوئی نہیں پہنتا۔ پاؤں میں جھانجن پہنتی ہیں جنہیں پائل کہتے ہیں۔ گلے میں سونے کی حمائل پہنتی ہیں جسے بسدرو کہتے ہیں۔ یہ عورتیں بے حد خدمتی ہیں۔ خاوند کے ہاتھ دُھلاتی ہیں۔ کھانا لا کر سامنے رکھتی ہیں وضو کے لئے پانی لاتی ہیں۔ سوتے وقت پاؤں دباتی ہیں۔ کھانا خاوند کے ساتھ نہیں کھاتیں۔ نہ خاوند کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کب کھاتی ہیں اور کیا کھاتی ہیں۔

پہلے کسی زمانے میں یہاں مورتی پوجا ہوتی تھی اور سمندر کے راستہ سے ہر مہینہ ایک بلا آتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک بڑا جہاز آ رہا ہے اور قندیلیں روشن ہیں۔ بلا کے آنے سے پہلے ایک کنواری عورت کو بنا سجا کر دیول میں بٹھا دیا جاتا تھا۔ صبح کو آ کر دیکھتے

تھے تو عورت مُردہ پائی جاتی تھی۔ ہر مہینہ قرعہ ڈالتے تھے اور جس کنواری کے نام قرعہ نکل آتا تھا بلا کی بھینٹ چڑھا دی جاتی تھی۔

ایک دفعہ جزیرہ میں ایک حافظ قرآن مسلمان آگیا۔ یہ بربر کا مسلمان تھا اور ابوالبرکات نام تھا۔ اور ایک بڑھیا کا مہمان تھا۔ ایک دن گھر میں آیا تو بڑھیا اور بڑھیا کے رشتہ داروں کو روتے دیکھا معلوم ہوا کہ اس دفعہ قرعہ بڑھیا کی بیٹی کے نام نکلا ہے۔ ابوالبرکات نے بڑھیا سے کہا گھبراؤ نہیں تیری بیٹی کی جگہ میں جاؤں گا۔ چنانچہ ابوالبرکات کو دیول میں چھوڑ آئے۔ ابوالبرکات نے وضو کیا اور قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی بلا آئی مگر ٹھہری نہیں اور قرآن کی آواز سن کر واپس سمندر میں چلی گئی۔ صبح کو بڑھیا لاش لینے آئی۔ تو ابوالبرکات کھڑا ہوا کلام مجید پڑھ رہا تھا یہ بڑی عجیب بات تھی۔ ابوالبرکات کو راجہ کے پاس لے گئے۔ جس کا نام شنورازہ تھا۔ ابوالبرکات نے راجہ کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کیں تو راجہ نے کہا کہ اگر اگلے مہینہ بھی بلا نہ آئی تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ چنانچہ راجہ مسلمان ہو گیا اور یہ بلا اگلے مہینہ میں بھی نہیں آئی۔ اسلام کی یہ کرامت دیکھ کر جزیرہ والوں نے تمام مورتیاں اور دیول توڑ ڈالے۔ اور جزیرہ کے سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ یہاں کی مسجد میں ایک کتبہ بھی لگا ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ سلطان احمد شنورازہ ابوالبرکات کے ہاتھ پر اسلام لایا۔

میں جب اس جزیرہ میں آیا تو ایک رات دیکھا کہ لوگ کلمہ اور تکبیریں بلند آواز سے پڑھ رہے ہیں۔ بچوں کے سروں پر کلام مجید ہیں عورتیں تانبے کے طشت اور برتن بجارہی ہیں۔ اور ایک شور مچا ہوا ہے، اور سمندر میں ایک جہاز سا نظر آرہا ہے۔ جس میں چراغ اور مشعلیں جل رہی ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ جن ہے ہر مہینہ آتا ہے مگر جب ہم یہ عمل کرتے ہیں تو بھاگ جاتا ہے اور جزیرہ تک نہیں آتا۔ جزیرہ کی ملکہ کا نام خدیجہ ہے۔

شاہی احکام کھجور کی شاخوں پر باریک چاقو سے لکھے جاتے ہیں اور کاغذ پر فقط کتابیں اور کلام اللہ لکھتے ہیں۔ شاہی احکام جمعہ کے دن سنائے جاتے ہیں اور خطیب اس طرح شروع کرتا ہے۔

اے خدا اپنی لونڈی کی مدد کر جس کو تو نے تمام عالم کے لوگوں سے برگزیدہ کیا ہے اور تمام مسلمانوں کے لئے سبب رحمت بنایا ہے۔ کون؟ خدیجہ!! سلطان جلال الدین ابن صلاح الدین کی بیٹی۔

یہاں کا دستور ہے کہ جب کوئی مسافر آتا ہے اور شاہی محل میں جاتا ہے تو دو کپڑے ساتھ لے جاتا ہے۔ ایک سلام کے وقت ملکہ کے پاؤں پر ڈالتا ہے۔ دوسرا جمال الدین وزیر کے پاؤں پر ڈالتا ہے۔

ملکہ کا لشکر ایک ہزار ہے۔ فوج والوں کا کام یہ ہے کہ ہر روز شاہی محل میں آئیں اور سلام کر کے چلے جائیں۔ تنخواہ میں مہینے کے مہینے چاول ملتے ہیں۔

وزیر اعظم کو کلکی کہتے ہیں۔ قاضی کو مندیار فالوا خطیب کو ہندی جری۔ دیوان فاتل داری صاحب اشغال کو ما فا کلوا حاکم کو فیتایک اور امیر البحر کو مانا یک۔ قید خانہ یہاں نہیں ہے۔ بہت سے قیدی ہوں تو لکڑی کے گھروں میں بند کر دیتے ہیں۔ ایک دو ہوں تو کاٹ میں پاؤں پھانس کر چھوڑ دیتے ہیں۔

میں نے مالدیپ کے ایک جزیرہ میں ایک چھاتی کی عورت دیکھی اس کی دو بیٹیاں تھیں۔ ایک کے دو چھاتیاں تھیں اور ایک کے فقط ایک، ایک چھاتی میں دودھ تھا۔ دوسری میں نہیں تھا۔

یوں تو میں نے مالدیپ کے تمام جزیروں کو دیکھا۔ مگر ایک جزیرہ کا سکون اور فضا دیکھ کر بڑا رشک ہوا۔ جی چاہا کہ اگر یہ جزیرہ مجھے مل جائے تو ایک کونہ میں بیٹھ کر خدا کی یاد کرتا رہوں اور یہیں مر جاؤ یہاں فقط ایک جولاہہ کا گھر تھا۔ چھوٹی سی کشتی میں بیٹھ کر مچھلی کا شکار کھیلتا اور جب کہیں جانا ہوتا اسی کشتی میں چلا جاتا۔ گھر میں عورتوں نے ناریل کے درخت لگائے تھے۔ خشکی کے پرندوں میں فقط دو کوّے تھے۔ ہمارے جہاز کو دیکھ کر دونوں کوے آگئے اور جہاز کا چکر کاٹنے لگے۔

یہاں سے ہم جزیرہ ملوک گئے۔ ملوک کی زمین اتنی قوی ہے کہ اگر درخت سے شاخ توڑ کر زمین یا دیوار میں داب دیں تو ہری بھری ہو جاتی ہے اور پورا درخت بن جاتا ہے۔ انار بارہ مہینے پھل دیتا

ہے۔ یہاں سے ہم چلے تو ہمارے ساتھ راستہ بتانے والا کوئی نہ تھا۔ معبر کا فاصلہ تین دن کا تھا۔ مگر ہم نو دن تک چلتے رہے۔ اور لنکا میں جا نکلے۔ جہاز والوں نے جب یہ دیکھا کہ ہم بھٹک کر کہیں سے کہیں پہنچ گئے ہیں۔ تو گھبرا کر بولے کہ یہ بندرگاہ پر امن نہیں ہے ڈاکوؤں کے سردار کا جزیرہ ہے مگر ہوا اتنی تیز تھی کہ ڈوب جانے کا ڈر تھا میں نے جہاز کے کپتان سے کہا مجھے کنارہ پر اتار دو۔ راجہ سے امان نامہ لے کر آجاتا ہوں۔ کپتان نے مجھے اتار دیا۔ لٹیرے مجھے دیکھتے ہی دوڑ پڑے۔ میں نے کہا۔ میں شاہ معبر کا ہم زلف ہوں راجہ کے لئے تحفے لے کر آیا ہوں۔ راجہ کو خبر پہنچی تو مجھے بلا لیا اور میں مطالہ شہر میں جہاں راجہ کی راجدھانی ہے پہنچ گیا۔ شہر کے چاروں طرف لکڑی کی فصیل ہے اور برج بھی لکڑی کے ہیں۔ سمندر کے کناروں پر دار چینی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ دار چینی سمندر سے بہہ کر یہاں آجاتی ہے اور مالا بار و معبر کے لوگ مفت اٹھا کر لے جاتے ہیں اور راجہ کو کپڑا وغیرہ نذر دیتے ہیں معبر سے یہاں تک ایک رات کا راستہ ہے۔

سیلان سیلان کے راجہ کا نام ایری شکرورتی ہے بڑا صاحب قوت راجہ ہے۔ جب میں راجہ کے پاس پہنچا تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا اور مجھے برابر بٹھا لیا اور کہا تمہارے ساتھی بے خوف جہاز سے اتر سکتے ہیں اور جب تک رہیں میرے مہمان رہیں۔ ہم یہاں تین دن راجہ کے مہمان رہے۔ یہ راجہ فارسی سمجھتا ہے۔ جب میں نے اپنی سیاحت

کے حالات سنائے تو بہت خوش ہوا۔ ایک دن جب میں راجہ کے پاس گیا تو موتیوں کا ڈھیر سامنے لگا ہوا تھا اور موتی پرکھنے والے اچھے اور بڑے موتی چھانٹ چھانٹ کر الگ رکھ رہے تھے۔ راجہ نے مجھ سے پوچھا۔ تم نے کبھی موتی نکلتے دیکھے ہیں۔ میں نے کہا قیس اور کش کے جزیرہ میں جہاں کا حاکم ابن الشو املی ہے دیکھے ہیں اس پر راجہ نے چند دانے اٹھا کر کہا کیا اتنے بڑے اور عمدہ موتی بھی؟ میں نے کہا نہیں!! وہ چھوٹے ہوتے ہیں۔ اس بات سے راجہ خوش ہوا۔ اور وہ دانے مجھے دے کر کہا اور جو کچھ تمہیں چاہیئے بے تکلف مجھ سے مانگ لو۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور کہا آدم و حوا کے قدم شریف کی زیارت چاہتا ہوں۔ راجہ نے کہا یہ کیا مشکل ہے۔ میں تمہارے ساتھ اپنے آدمی کردوں گا۔ پھر میں نے اپنے جہاز کے لئے امن کا پروانہ مانگا اور راجہ نے خوشی سے دیدیا۔ جہاز کے کپتان سے جب میں نے قدم شریف جانے کا ذکر کیا تو بولا۔ جب تک تم واپس نہ آجاؤ گے میں یہاں ٹھیرا رہوں گا چاہے ایک سال کیوں نہ گذر جائے راجہ نے کپتان کی بات سنی تو کہا۔ جہاز کے سب لوگ تمہاری واپسی تک راج کے مہمان ہوں گے۔

پھر راجہ نے میرے لئے ڈولے کا اور غلاموں کا انتظام کیا اور چار جوگی ساتھ کئے جو ہر سال قدم شریف جاتے تھے۔ تین برہمن، دس اہلکار اور پندرہ سامان اٹھانے والے مزدور ساتھ گئے۔ پہلے دن ہم

بید کی بنی ہوئی کشتیوں سے دریا کے پار ہوئے۔ پھر منار مندلی پہنچے۔ منار مندلی کے راجہ نے ہماری دعوت کی۔ یہاں ایک خراسانی مسلمان بیمار ہو جانے کے سبب ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ بھی ہمارے ساتھ ہو گیا۔ یہاں سے ہم سلاروت پہنچے۔ پھر ایک جنگل سے گذرے جہاں ہاتی بکثرت تھے یہ ہاتی پردیسیوں اور زیارت پہ جانے والوں کو نہیں ستاتے اور یہ سب شیخ عبداللہ بن خفیف کی برکت ہے۔ جن کا ذکر کتاب کے پہلے حصہ میں کر چکا ہوں۔ قدم شریف کا یہ راستہ سب سے پہلے شیخ عبداللہ بن خفیف ہی نے دریافت کیا تھا۔

پھر ہم شہر کنکار پہنچے۔ کنکار سیلان کا مرکز ہے، یہ ایک پہاڑ ہے گھاٹی میں دو پہاڑوں کے درمیان، دریا کے کنارے، دریا کا نام دریائے یاقوت ہے۔

شہر کے باہر شیخ عثمان شیرازی کی مسجد ہے۔ یہاں کے لوگ انہیں شیخ شاذش کہتے ہیں۔ یہاں کا راجہ اور پرجا دونوں شیخ کی زیارت کو آتے ہیں۔ قدم شریف کی رہبری ان ہی کے خاندان میں ہے۔ شہر کے راجہ کو کنار کہتے ہیں۔ راجہ کے پاس ایک سفید ہاتی ہے جس کے سر پہ تہواروں میں یاقوتوں کا ہار باندھا جاتا ہے۔ سیلان میں یاقوت ہر جگہ نکلتے ہیں۔ جو لوگ یاقوت نکالتے ہیں۔ زمین کے ٹکڑے خرید لیتے ہیں اور جہاں کہیں سفید شاخ دار پتھر نکلتا ہے سنگ تراشوں کے پاس لیجاتے ہیں۔ سنگ تراش اسے تراش کر

بیچ میں سے یاقوت نکال لیتے ہیں۔ سرخ، زرد اور نیلے رنگ کے یاقوت بھی ہوتے ہیں۔ سرخ رنگ کو لال اور چُنی کہتے ہیں اور زرد کو پکھراج اور نیلے کو نیلم۔ چھ سو اشرفیوں کی قیمت یا اس سے زیادہ قیمت کا یاقوت نکلتا ہے تو راجہ خرید لیتا ہے۔ کم قیمت والے کو جہاں کہیں مالک لیجانا چاہے لے جاتا ہے اور بیچ سکتا ہے۔ یہاں کی عورتیں ہاتھ، پاؤں اور گلے میں رنگ رنگ کے یاقوتوں کے زیور پہنتی ہیں اور راجہ کی داسیاں یاقوتوں کے جھومر سر پر لگاتی ہیں۔

سات یاقوتوں کا جھومر جیسے ہاتھی کے سر پر باندھا جاتا ہے ان میں کا ہر ایک یاقوت مرغی کے انڈے کے برابر ہے۔ راجہ شنکرورتی نے مجھے ایک یاقوت کی تراشی ہوئی پیالی دکھائی جو ہتھیلی کے برابر تھی۔ پیالی میں عود کا تیل تھا اور جب اسے دیکھ کر میں تعجب کرنے لگا تو کہا کہ ہمارے پاس اس سے بھی بڑے یاقوت ہیں۔

کنکار سے چل کر ایک دریا ملا جسے خور بوزنہ بندروں کا دریا کہتے ہیں۔ آس پاس کی پہاڑیوں میں بندر بکثرت ہیں۔ ان بندروں میں ایک بندر سردار ہے۔ جس کے سر پر پتوں کا تاج بندھا رہتا ہے۔ ہاتھ میں لمبی شاخ کا عصا لے کر چلتا ہے۔ دو بندر داہنے اور دو بائیں چلتے ہیں۔ ان چاروں کے ہاتھوں میں عصا ہوتے ہیں۔ سردار بندر جہاں کہیں بیٹھتا ہے چاروں اس کے پیچھے کھڑے ہو جاتے ہیں اور سردار کی بندریا (ملکہ) اور بچے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ دوسرے تمام بندر دور

بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر پیچھے کھڑے ہوئے بندروں میں ایک چیخ مارتا ہے جس پر سب بندر چلے جاتے ہیں۔ اور کچھ بندر پھل لا کر سردار کے سامنے پیش کرتے ہیں جسے سردار اور ملکہ اور بچے کھاتے ہیں۔ ایک جوگی نے کہا کہ میں نے ایک بندر کو سزا پاتے بھی دیکھا ہے۔ پہلے بندروں نے اسے لاٹھیوں سے خوب مارا پھر بال اکھاڑے۔

یہ بندر کالے رنگ کے ہیں۔ لمبی لمبی دُمیں ہیں اور نر کے داڑھی ہوتی ہے۔

یہاں سے ہم دریائے خیزران پر پہنچے۔ یہاں سے ایک جگہ آتی ہے جسے بڑھیا کا گھر کہتے ہیں۔ اس سے آگے آبادی نہیں ہے۔ ایک غار ہے جسے غار سبیک کہتے ہیں۔

سبیک ایک راجہ تھا جس نے دنیا چھوڑ دی تھی اور سنیاسی بن گیا تھا اور اس غار میں آکر رہا تھا۔ یہاں ہم نے اڑنے والی جونک دیکھی۔ پانی کے آس پاس کی بیلوں اور گھاس پر بیٹھی رہتی ہے۔ جو آدمی قریب جاتا ہے کود کر چمٹ جاتی ہے۔ جو لوگ ان مقامات پر آتے ہیں لیمو ساتھ رکھتے ہیں۔ کیونکہ جب یہ جونک چمٹ جاتی ہے تو اس کا علاج صرف یہی ہے کہ لیمو نچوڑ دیا جائے۔ جس کے اثر سے جونک گر پڑتی ہے۔

یہاں سے ہم بابا خوزی کے غار پر گئے۔ کہتے ہیں کہ بابا خوزی کے جونک چمٹ گئی تھی۔ ان کے پاس لیمو نہ تھا۔ انھوں نے تمام بدن

چھیل ڈالا مگر جونک نہ چھوٹی اور خون پی پی کر بابا خوزی کو ہلاک کر دیا۔
یہاں سے ہفت غار۔ ہفت غار سے عقبہ اسکندریہ۔ پھر غار اصفہانی پھر ایک چشمہ پہ گئے جس کے کنارے ایک غیر آباد قلعہ ہے اور قلعہ کے نیچے دریا بہتا ہے۔ دریا کا نام غوطہ گاہ عارفاں ہے۔ پھر ایک غار ہے جسے غار نارنج کہتے ہیں۔ پھر دوسرا غار ہے راجہ کا غار پھر جبل سراندیپ کا دروازہ ہے۔ جبل سراندیپ دنیا کے بلند پہاڑوں میں ہے۔ یہاں ایسے بہت سے درخت ہیں جن کے پتے کبھی نہیں جھڑتے اور رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ گلاب ہتھیلی کے برابر ہوتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ پھول کی پنیوں پر اللہ اور محمد کا نام نقش رہتا ہے۔

قدم شریف تک جانے کے دو راستے ہیں۔ ایک بابا کا اور ایک ماما کا۔ یعنی باوا آدم اور ماما حوا کا راستہ ہے۔

ماما کا راستہ آسان ہے۔ بابا کا راستہ بے حد دشوار ہے اور چڑھائی بڑی کٹھن ہے۔ پہاڑ کے دروازہ کے قریب ایک غار ہے جسے سکندر کا غار کہتے ہیں۔ اوپر پانی کا چشمہ ہے۔ پہاڑ میں سیڑھیاں کھدی ہوئی ہیں اور لوہے - - - کی میخیں گاڑ کر زنجیریں لٹکا دی ہیں تاکہ چڑھنے والا زنجیریں پکڑ کر چڑھ سکے۔ یہ دس زنجیریں ہیں۔ دسویں زنجیر کو زنجیر شہادت کہتے ہیں۔ یہاں پہونچکر پہاڑ کے نیچے دیکھنے سے ہوش اڑ جاتے ہیں اور کلمہ شہادت بے اختیار زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔
سات میل کے بعد ایک میدان ہے جہاں ایک تالاب اور

غار ہے۔ غار کا نام غارِ خضر ہے اور چشمہ کو چشمہ خضر کہتے ہیں۔ تالاب میں اگرچہ مچھلیاں بکثرت ہیں مگر انھیں کوئی پکڑ نہیں سکتا۔ جاتری لوگ اپنا سامان غار خضر میں چھوڑ کر قدم کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ قدم شریف یہاں سے دو میل کی بلندی پر ہے۔

بابا آدم کا قدم

ایک نہایت سخت پتھر پر قدم کا نشان ہے۔ یہ پتھر میدان میں رکھا ہوا ہے۔ قدم گیارہ بالشت لمبا ہے۔ انگوٹھے کی جگہ کا پتھر چین والے توڑ کر لے گئے ہیں اور زیتون کے ڈبول میں جا کر رکھ دیا ہے۔ جہاں دور دور سے چینی لوگ آ کر زیارت کرتے ہیں۔ قدم کے پاس پتھر میں تو گڑھے کھدے ہوئے ہیں جن میں جاتری سونا، یاقوت اور موتی بھر جاتے ہیں فقیر لوگ جلدی سے آگے بڑھ جاتے ہیں اور اپنے نکال لیتے ہیں۔ ہم پہنچے تو بہت تھوڑا سونا اور جواہرات رہ گئے تھے جسے ہم نے اپنے ساتھیوں کو دے دیا۔ قدم شریف کی زیارت کے بعد پھر غار خضر میں جہاں سامان رکھا رہتا ہے واپس آ جاتے ہیں اور یہ عمل تین دن تک صبح شام کرنے کے بعد زیارت ختم ہو جاتی ہے۔ تین دن بعد ہم بابا حوا کے راستہ سے واپس آ گئے۔ راستہ ختم ہو جانے پر پہاڑ کی جڑ میں ایک درخت ملتا ہے جس کے پتے کبھی گرتے نہیں ہیں۔ درخت کے نیچے بہت سے جوگی نہ جانے کب سے آس لگائے بیٹھے تھے کہ پتا گرے تو اٹھا لیں مگر ان کا یہ انتظار کبھی پورا نہ ہوگا۔ جوگی

کہتے ہیں کہ جو کوئی اس گنگا کا گرا ہوا اپنا کھا لے کتنا ہی بوڑھا کیوں نہ ہو نوخیز جوان بن جاتا ہے۔

پہاڑ کے نیچے دریائے یاقوت ہے۔ جہاں سے یاقوت نکالے جاتے ہیں۔ دریا کا پانی بالکل نیلا نظر آتا ہے۔

دین ور یہاں سے چل کر ہم دین ور پہنچے۔ یہاں ایک بہت بڑا مندر ہے جس میں ایک سونے کی مورتی آدمی کے قد کے برابر رکھی ہوئی ہے۔ دونوں آنکھوں کی جگہ دو بڑے یاقوت ہیں جن میں رات کو قندیل جیسی روشنی ہوتی ہے۔ دین در اسی مورتی کا نام ہے۔ مندر میں تین ہزار برہمن اور جوگی رہتے ہیں۔ شہر کی تمام آمدنی مندر کو ملتی ہے۔ جس میں سے مسافروں کو کھانا بھی دیا جاتا ہے۔ یہاں سے چھ کوس قالی ہے اور پھر کلبنو ہے۔ کلبنو سے واپس بطالہ پہنچ گئے۔ جہاں جہاز کا کپتان میرے انتظار میں پڑا ہوا تھا۔

خطرہ جب ہم معبر کی طرف چلے تو ہوا تیز ہو گئی۔ پانی جہاز میں آنے لگا اور پتھروں میں جا پھنسے۔ خدا خدا کر کے پتھروں سے نکلے تو کھاڑی میں جا پڑے اور جہاز بیٹھنے لگا۔ جہاز کے مستول کاٹ کر پھینک دیئے گئے۔ اور جہاز والے لکڑی کی چھوٹی کشتی بنا کر اپنی اپنی جان بچانے کی فکر کرنے لگے، کنارا دو کوس کے قریب تھا۔ جب ہی میں کشتی میں اترا ہمراہیوں اور لونڈیوں نے کہا ہمیں کس پر چھوڑتے ہو۔ ایک لونڈی نے کہا میں تیرنا جانتی ہوں

رسی پکڑ کر تیرتی چلوں گی۔

محمد بن فرحان۔ ایک لونڈی اور ایک مصری کشتی میں بیٹھ گئے اور دوسری لونڈی تیرتی چلی۔ آہ کیسی بے کسی کا وقت تھا۔ میں نے اپنا قیمتی سامان ان کے ساتھ بھیج دیا اور میں جہاز میں رہ گیا۔ رات ہوئی تو جہاز کے پچھلے حصہ میں جا بیٹھا۔ صبح کو کچھ ہندو کشتیاں لے کر آگئے اور ہمیں کنارہ پر اتارا۔ یہ لوگ ہمیں جنگل میں لے گئے اور ایک پھل لائے جس کی شکل خربوزے کی جیسی تھی اور ایک عمدہ مچھلی لائے اور ہماری خبر شاہ معبر کو پہنچادی۔ تین دن بعد شاہ معبر کا ایک امیر جس کا نام فخرالدین تھا دس گھوڑے اور ایک ڈولہ لایا اور ہمیں بادشاہ کے کیمپ میں لے گیا۔

کیمپ سے میں شہر چلا گیا۔ شہر میں ایک پتھر کی مسجد ہے جس میں انگور اور انار بکثرت ہیں۔ میری ملاقات شیخ صالح محمد نیشاپوری اور دوسرے ان کے ساتھی درویشوں سے ہوئی۔ ان کے بال شانوں تک لٹکے ہوئے تھے اور لومڑیاں پاس بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں ایک فقیر کے پاس ہرنی تھی جو شیر کے پاس کھڑی تھی اور شیر اسے چھوتا تک نہ تھا۔ اس زمانے میں یہاں آٹھ جہاز چین جانے کے لئے تیار کھڑے تھے ان میں ایک جہاز میں نے لیا اور سوار ہو گیا راستہ میں سمندری لٹیروں سے مقابلہ ہوا۔ مگر یہ لوگ بھاگ گئے اور میں کولم میں ٹھہر گیا۔ پھر ایک جہاز میں بیٹھ کر سلطان جلال الدین ہونری سے

ملنے گیا۔ ہیوز اور فاکنور کے بیچ میں لٹیروں سے پھر ایک سخت معرکہ رہا۔ اس دفعہ لٹیروں کے پاس بارہ جنگی جہاز تھے۔ اور وہ ہم سب کو لوٹ کر چل دئے۔ فقط ایک پاجامہ بدن پر چھوڑ دیا۔ یاقوت موتی اشرفیاں اور تبرکات سب کچھ لے گئے۔ میں کالی کٹ آگیا اور مسجد میں ٹھر گیا۔ یہاں کے قاضی فقیہ اور سوداگروں نے میری بہت مدد کی اور میں پھر جزائر مالدیپ کی طرف چل پڑا۔ اور کنکوس جزیرہ میں چند دن ٹھر کر بنگال چلا گیا۔

بنگال بنگالہ بڑا ملک ہے۔ مگر صاف ستھرا نہیں اندھیرا چھایا چھایا ہوا ہے۔ بنگالہ میں ہر چیز سستی ہے۔ ایک روپیہ میں پندرہ من چاول مل جاتے ہیں۔ بھینس تقریباً ساڑھے سات روپیہ کی۔ موٹی تازہ مرغیاں پانچ آنہ کی آٹھ اور کبوتر پانچ آنہ کے پندرہ مل جاتے ہیں۔ اسی طرح دوسری چیزیں بھی سستی ہیں۔ سب سے پہلے ہم چاٹگام گئے۔ چاٹگام بڑا بندرگاہ ہے اور بہت سے جہاز یہاں کھڑے رہتے ہیں۔ چاٹگام کا بادشاہ فخرالدین ہے۔ درویشوں سے بڑی محبت رکھتا ہے۔ چاٹگام سے کامرودیس کے پہاڑ ایک مہینہ کے راستہ پر ہیں۔ کامرودیس بہت وسیع پہاڑی ملک ہے۔ چین اور تبت سے ملا ہوا ہے۔ یہاں کے رہنے والے شکل و صورت میں ترکوں جیسے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب جادوگر ہیں۔ کامرودیس آنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ میں حضرت شیخ جلال الدین کی

زیارت کرنا چاہتا تھا جو اس علاقہ کے مشہور بزرگ ہیں۔ جب میں شیخ کے قیام گاہ کی طرف جارہا تھا اور ابھی دو منزلیں باقی تھیں چار آدمی مجھے ملے۔ یہ آدمی شیخ نے مجھے لینے کے لئے بھیجے تھے۔ انھوں نے بیان کیا کہ ہمیں شیخ نے بھیجا ہے اور بتایا ہے کہ ایک مغربی سیاح آرہا ہے۔ میں حیران رہ گیا کیونکہ میں نے اپنے آنے کی شیخ کو یا کسی دوسرے کو اطلاع نہ دی تھی۔

شیخ جس غار میں رہتے تھے خانقاہ اس سے باہر تھی۔ یہاں کے ہندو مسلمان سب شیخ کی زیارت کو آتے رہتے ہیں اور شیخ کے لئے نذر نیاز لاتے رہتے ہیں جس سے خانقاہ کے درویشوں کا خرچ چلتا ہے، شیخ کا گذارہ فقط گائے کے دودھ پر ہے۔ میں حاضر ہوا تو کھڑے ہوکر گلے ملے اور حکم دیا کہ میری مدارات اچھی طرح کی جائے جس وقت میری ملاقات ہوئی شیخ ایک خوب صورت چوغہ پہنے ہوئے تھے۔ میں نے جی میں سوچا کہ شیخ یہ چوغہ مجھے دیدیں تو کیا اچھی بات ہے۔ میں رخصت ہوا تو چوغہ اتار کر مجھے پہنا دیا اور اپنے سر کا ٹوپا میرے سر پر رکھ دیا۔ درویشوں نے مجھے بتایا کہ شیخ کبھی چوغہ نہیں پہنتے۔ آج چوغہ پہنتے وقت فرماتے تھے کہ مغربی مہمان یہ چوغہ مجھ سے مانگے گا اور ایک راجہ چوغہ چھین لے گا اور وہ راجہ یہ چوغہ میرے بھائی برہان الدین کو دیدے گا۔

میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ میں اس چوغہ کو پہن کر کسی راجہ

یا بادشاہ کے پاس نہ جاؤں گا۔ مدتوں بعد چین جانے کا اتفاق ہوا ساتھیوں کے ساتھ شہر خنسا میں پھر رہا تھا کہ بھیڑ بھاڑ میں ساتھیوں سے الگ ہو گیا اور وزیر سے ملاقات ہو گئی۔ وزیر ہاتھ پکڑ کر حال پوچھنے لگا اور باتیں کرتے ہم دونوں راج محل کے دروازہ تک پہنچ گئے۔ میں نے چاہا بھی کہ رخصت ہو جاؤں مگر وزیر نے اجازت نہ دی اور راجہ کے پاس لے گیا۔ جوں ہی راجہ نے چوغہ دیکھا تعریف کرنے لگا اور مجھے وزیر کے اشارہ پر چوغہ اتار کر راجہ کی نذر کر دینا پڑا۔ راجہ نے دس خلعت ایک گھوڑا معہ ساز و سامان اور خرچ کے واسطے رقم کا حکم دیا۔

پھر جب دوسرے سال چین کی راجدھانی میں ..... شیخ برہان الدین صاغرجی کی خانقاہ میں گیا تو میں نے دیکھا کہ شیخ برہان الدین وہی چوغہ پہنے ہوئے ہیں۔ میں سکتہ میں رہ گیا اور میں نے شیخ برہان الدین کو تمام واقعہ سنا دیا شیخ نے کہا میرے بھائی جلال الدین بڑے مرتبہ کے بزرگ تھے۔ افسوس کہ ان کی وفات ہو گئی۔

شیخ جلال الدین نے چالیس سال تک روزہ قضا نہیں کیا۔ چھریرا بدن پچکے ہوئے رخسار تھے۔ دس دن میں روزہ افطار کرتے تھے۔ ہزاروں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ وفات سے ایک دن پہلے دوستوں کو بلا کر وصیت کی۔

خدا سے ڈرتے رہو۔ میں کل تم سے رخصت ہو جاؤں گا۔ ظہر کی نماز کے بعد آخر سجدہ میں روح نکل گئی (رحمۃ اللہ علیہ)

کامروپ

کامروپ کے پہاڑوں سے جو دریا بہتا ہوا آتا ہے اسے ارزق کہتے ہیں۔ اس دریا میں ان گنت جہاز آتے رہتے ہیں۔ فقیروں سے محصول نہیں لیا جاتا اور جس کسی کے پاس کھانے کو نہیں ہوتا۔ اس کے کھانے پینے کا انتظام کر دیا جاتا ہے یہاں سے سنار گاؤں پہنچے۔ اور ہمیں ایک چینی جنک جاوا جانے کے لئے تیار مل گیا۔ جس سے پندرہ دن میں ہم برہن کار پہنچ گئے۔ یہاں کے مردوں کے منہ کتوں جیسے ہیں۔ مگر عورتیں خوب صورت ہیں۔ یہ لوگ نہ ہندو ہیں نہ مسلمان۔ بانسوں کے گھروں میں جن کی چھتیں پھونس کی ہیں۔ سمندر کے کنارے رہتے ہیں۔ بانس کی نلکی کی ٹکڑی شرم گاہ پر باندھ لیتے ہیں۔ باقی سر سے پاؤں تک ننگے رہتے ہیں۔ عورتیں درختوں کی شاخیں لپیٹ کر شرم گاہیں چھپا لیتی ہیں۔ جاوا اور بنگالہ میں مسلمانوں کے محلے الگ ہیں۔ اور مسلمان ان جنگلیوں سے میل جول نہیں رکھتے جنگلی حد درجہ بے شرم ہیں اور تمام کام حیوانوں کی طرح سب کے سامنے کرنے لگتے ہیں۔

جنگلی لوگ جہاز والوں کو اپنی بستی میں نہیں آنے دیتے۔ ہاں اگر بس جانے کیلئے آئیں تو انکار نہیں کرتے۔

ہاتی اس ملک میں بہت ہیں۔ مگر راجہ کے سوا ان پر کوئی سوار نہیں ہوتا۔ یہاں کی بولی کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ جب ہم لوگ پہنچے تو یہ لوگ چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں ہمارے لئے بادام، چاول پان، چھالیہ اور مچھلیاں لائے۔ راجہ ہاتی پر سوار ہو کر آیا تھا۔ راجہ کے کپڑے بکری کی کھال کے تھے۔ اور کھال ہی کی چادر اوڑھے ہوا تھا۔ سر پر تین پٹیاں ریشم کی بندھی تھیں اور ہر ایک پٹی کا رنگ الگ الگ تھا۔ بیس آدمی راجہ کے ساتھ تھے۔ جن میں دس راجہ کے رشتہ دار تھے۔ یہ سب ہاتیوں پر سوار تھے۔ ہم نے راجہ کے پاس کالی مرچ۔ سونٹھ، دارچینی۔ مالدیپ کی مچھلی بنگال کے کپڑے بطور تحفہ بھیجے۔

یہ لوگ خود ننگے رہتے ہیں۔ مگر تہواروں میں ہاتیوں کو کپڑے پہناتے ہیں۔

جہاز جس قدر اس علاقہ میں آتے ہیں راجہ کو ایک لونڈی، ایک غلام ہاتیوں کے کپڑے اور رانیوں کے لئے سونے کے بُلاق اور پاؤں کے چھلے بطور پیش کرتے ہیں۔ اگر کوئی جہاز والا نذر نہیں دیتا تو یہ لوگ نہ جانے کیا جادو کرتے ہیں کہ یا تو جہاز طوفان میں آکر ڈوب جاتا ہے نہیں تو مسافر سخت مشکل میں پھنس جاتے ہیں۔

جاوا

پچیس دن کے سفر کے بعد ہم جاوا میں پہنچ گئے۔ جاوا نہایت سرسبز اور شاداب مقام ہے۔ ناریل، چھالیہ

لونگ، عود ہندی، کٹھل، آم، جامن، نارنگی اور کافور کے درخت بکثرت ہیں۔ جاوی لوبان مشہور ہے۔ خرید و فروخت تانبہ کے ٹکروں اور سونے چاندی سے ہوتی ہے۔ خوشبوئیں یہاں زیادہ ہیں۔ بندرگاہ سے شہر چار میل ہے۔ یہاں ہمارا بڑی دھوم دھام سے استقبال ہوا قاضی شریف سید شیرازی تاج الدین الصفہانی اور بہت سے علماء ملاقات کو آئے۔ بادشاہ کا نام ملک ظاہر ہے۔ بہت بڑا فاضل اور سخی ہے۔ جمعہ کے دن ہمیشہ پیادہ پا آتا ہے۔ ہم لوگ جب محل سرا میں پہنچے تو بادشاہ کے نائب نے ہمیں سلام کیا اور بادشاہ کو بذریعہ تحریر اطلاع بھیجی۔ جواب آنے پر نائب مجھے ایک علیحدہ مکان میں لے گیا جسے فرد خانہ کہتے ہیں اور ایک گٹھری سے تین چادریں نکالیں ایک خالص ریشم کی، ایک سوت اور ریشم کی۔ ایک کتان اور ریشم کی۔ پھر تین کپڑے نکالے جنہیں تحتانیہ کہتے ہیں۔ پھر تین کپڑے جنہیں وسطانیہ کہتے ہیں۔ پھر تین اونی کے کپڑے نکالے پھر تین پاجامے نکالے۔

میں نے ایک چادر باندھ لی اور ایک ایک کپڑا ہر قسم کا ساتھ والوں کو بانٹ دیا۔ اس کے بعد کھانا آیا۔ جس میں چاول زیادہ تھے یہاں پان کا بھی رواج ہے اور ہمیں کھانے کے بعد پان دیا گیا۔ پھر قیام گاہ لے گئے۔

ہماری قیام گاہ باغ میں تھی جس کے بیچ میں ایک لکڑی کا مکان

تھا۔ بید کی بنی ہوئی چارپائیاں تھیں اور ریشم کے گدے تھے۔ ہلکے پھلکے لحاف اور تکیے بھی تھے۔

روزانہ تین مرتبہ کھانا آتا تھا۔ جس کے ساتھ میوے اور عمدہ عمدہ قسم کی دوسری چیزیں بھی ہوتی تھیں۔ تین دن بعد جامع مسجد میں بادشاہ سے ملاقات ہوئی۔

سلطان نے میری سیاحت اور شاہ ہند کا حال پوچھا پھر مذہبی مسائل پر گفتگو رہی جس کا سلسلہ عصر تک جاری رہا۔ بادشاہ جب کبھی ہاتھی پر سوار ہوتا ہے تو اہلکار گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور اگر بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے تو اہلکار ہاتی پر بیٹھتے ہیں۔ اہل علم دائیں طرف ہوتے ہیں۔ سواری کا جلوس محل کے قریب پہنچا تو وزیر امیر کاتب فوج کے سردار صف باندھے کھڑے تھے۔ اول صف میں وزیر اور منصدی تھے۔ پہلے چار وزیر آئے اور سلام کر کے کھڑے ہو گئے۔ پھر علماء کی صف آگے بڑھی پھر مصاحب۔ حکیم۔ اور شاعر پھر قوم کے سردار پھر غلام۔

آس پاس مصاحب سر پر چتر اور چھتر کا سایہ۔ پچاس ہاتھی دائیں طرف تھے اور پچاس بائیں طرف تھے۔ پچاس گھوڑے دائیں طرف۔ اور پچاس گھوڑے بائیں طرف تھے۔ سامنے حاجب پھر گانے بجانے والے تھے۔

گویوں نے گانا شروع کیا تو ایک سجا ہوا گھوڑا لایا گیا جس کے پاؤں میں سونے کے جھانجن تھے اور ریشمی ڈوریاں پکڑے سائیس ساتھ تھے

یہ گھوڑا بادشاہ کے سامنے ناچنے لگا۔ ناچ بڑا حیرت انگیز تھا۔ گھوڑے کا ناچ ایک مرتبہ شاہ ہند کے ہاں بھی میں نے دیکھا تھا۔ مغرب کے وقت بادشاہ محل میں چلا گیا اور سب لوگوں نے اپنے اپنے گھر کا راستہ لیا۔

میں یہاں پندرہ دن ٹھہرا پھر بادشاہ سے چین جانے کی اجازت مانگی۔ بادشاہ نے میرے لیئے ایک جنک تیار کرا دیا۔ زادراہ دیا اور اپنے آدمی ساتھ کر دیئے تاکہ راستہ بھر میرے کھانے کا شاہ کی جانب سے انتظام رکھیں۔

یہاں سے ہم مُل جاوا گئے۔ جہاں عود، لوبان، کافور، لونگ، جائفل جاوتری کی پیداوار ہے۔

لوبان کا درخت آدمی کی برابر ہوتا ہے۔ پتے چھوٹے چھوٹے اور نیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔ پتے گر جاتے ہیں تب بھی درخت سرسبز رہتا ہے۔ لوبان اس کا گوند ہے جو شاخوں سے نکلتا ہے۔

کافور بانس کی مانند ہوتا ہے۔ پوریاں لمبی اور موٹی ہوتی ہیں۔ کافور پوریوں سے نکلتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب تک کسی جانور کو کافور کی جڑ میں ذبح نہیں کرتے کافور پوریوں میں سے نہیں نکلتا۔ عمدہ قسم کا کافور اتنا ٹھنڈا ہوتا ہے کہ اگر کوئی ایک درم کھالے تو مر جائے۔

عود کے درخت کی چھال باریک ہوتی ہے اور جڑیں لمبی ہوتی ہیں پھل نہیں لگتا۔ اس میں عطر جیسی خوشبو ہوتی ہے۔

لونگ کا درخت موٹا اور پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ لونگ کے پھل کا نام

جائفل ہے۔ اور کلی کو جاوتری کہتے ہیں۔

پھر ہم قافلہ گئے۔ یہاں کے لوگ سمندری ڈاکو ہیں۔ شہر خوبصورت ہے۔ ترشے ہوئے پتھر کی اتنی چوڑی فصیل ہے کہ تین ہاتی برابر برابر چل سکتے ہیں۔ عود کی لکڑی کی یہاں اتنی کثرت ہے کہ ایندھن کے کام میں آتی ہے۔ سوداگروں کے ہاتھ بیچتے ہیں تو ایک بوجھ دیتے ہیں اور ایک سوتی کپڑا لے لیتے ہیں۔

گھر گھر ہاتی شہر میں ہاتی ہر ایک گھر کے اور دوکان کے سامنے بندھے رہتے ہیں۔ دکاندار گھر جاتا ہے تو ہاتی پر سوار ہو کر جاتا ہے۔ ہاتھی پر سواری بھی کرتے ہیں اور بوجھ بھی لادتے ہیں۔

آدمی کی بھینٹ میری ملاقات مُل جاوا کے راجہ سے بھی ہوئی بڑے اخلاق سے ملا اور سلطان ہند کا حال پوچھتا رہا۔ اس کے دربار میں ایک عجیب تماشہ دیکھنے میں آیا۔

ایک شخص نے اپنے گلے پر چُھری رکھی اور کچھ کہہ کر جسے میں نہیں سمجھا چھری کو مضبوط پکڑ کر اتنی زور سے دبایا کہ اس کا گلا صاف کٹ گیا۔ اور سر علیحدہ جا پڑا۔ راجہ نے میری حیرت دیکھ کر پوچھا کیا تمہارے ملک میں بھی کوئی شخص ایسا کر سکتا ہے۔ میں نے کہا ہرگز نہیں!! یہ سن کر راجہ ہنسا اور بولا میرے غلام مجھ سے اتنی محبت رکھتے ہیں کہ اپنی جان مجھ پر قربان کر دیتے ہیں۔ معلوم یہ ہوا کہ سر کاٹتے وقت غلام نے یہی کہا تھا کہ راجہ مجھے اتنا پیارا ہے کہ میری جان بھی اس پر قربان ہے۔ یہ بھی سنا کہ

اس کا باپ اور دادا بھی اسی طرح راجہ پر قربان ہوئے تھے۔

بحرالکاہل

تیس دن سفر کرنے کے بعد ہم بحرالکاہل پہنچے۔ بحرالکاہل کا رنگ سیاہ سرخی مائل ہے۔ یہ سمندر ساکن ہے ہوا، موجیں اور حرکت اس میں نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اسے بحرالکاہل کہتے ہیں۔

یہاں پر جہاز کے ساتھ تین جہاز رہتے ہیں۔ جنھیں ملاح کھینتے ہیں بڑے جہاز میں بیس بیس چپو ایک طرف اور بیس ایک طرف ہوتے ہیں۔ چپو کیا ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے لٹھے ہوتے ہیں۔ ہر چپو پر تیس تیس آدمی کام کرتے ہیں۔ ہر چپو میں بڑے بڑے دو رسّے بندھے رہتے ہیں ایک جماعت رسّے کھینچتی ہے اور چھوڑتی ہے پھر دوسری جماعت رسّے کھینچتی ہے اور چھوڑ دیتی ہے۔ رسہ کشی کے وقت گاتے جاتے جاتے ہیں اور بعلی بعلی کرتے جاتے ہیں۔

تینتیس ۳۳ دن کے سمندری سفر کے بعد طوالسی کے ملک میں پہنچے یہاں کے باشندے اچھی شکل وصورت کے ہیں اور ترکوں سے ملتے جلتے ہیں شریف ہیں اور بہادر ہیں، راجہ بھی صاحب مرتبت ہے۔ اور بکثرت جہازوں کا مالک ہے۔

طوالسی کی عورتیں گھوڑوں پر سوار ہوکر بڑی بہادری سے لڑتی ہیں اور تیر کا نشانہ بہت اچھا لگاتی ہیں۔ طوالسی کے علاقہ بندرگاہ کیلوگری میں راجہ کی بیٹی اردوجا جس کی بہادری اور دلیری یہاں کے

علاقہ میں مشہور ہے حکمراں ہے۔

میں جب اروجا سے ملنے گیا تو دربار ہو رہا تھا لوگوں کی عرضیاں عورتیں پیش کر رہی تھیں۔ وزیر بھی عورتیں ہیں۔ وزیر عورتیں تخت کے نیچے صندل کی کرسیوں پر بیٹھی تھیں۔ تخت بھی صندل کا تھا۔ جس پر ریشم کا فرش تھا سامنے مرد تھے۔ تخت پر سونے کے پتر لگے ہوئے تھے اور سونے کے مٹکوں اور بڑے بڑے لوٹوں میں شربت بھر ارکھا تھا۔ یہ شربت کھانے کے بعد پیا جاتا ہے جس سے کھانا جلد ہضم ہو جاتا ہے میں نے ملکہ کو سلام کیا تو جواب میں کہا۔ بخشی مس۔ یہ مزاج پرسی تھی ملکہ عربی لکھنا جانتی ہے۔ خادم سے دوات کاغذ منگا کر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی اور مجھ سے پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا تنگری نام یعنی خدا کا نام ہے۔ ملکہ نے کہا "خوشی" یعنی اچھا۔ پھر پوچھا کہاں سے آتے ہو؟ میں نے کہا ہندوستان سے۔ اس نے کہا کالی مرچوں کے ملک سے

میں نے جواب دیا ہاں!!

ملکہ نے مجھے کپڑے، دو ہاتی، چاول، دو بھینسیں، دس بکریاں، چار سیر گلاب چار بڑے بڑے مرتبان جن میں ادرک، مرچ، لیمو اور آم کا اچار تھا دینے کا حکم دیا۔ جہاز کے سفر میں اچار بہت کام دیتا ہے ملکہ کے لشکر میں ایسی عورتیں ہیں جو مردوں کا دو بدو مقابلہ کرتی ہیں۔ خود ملکہ بڑی بہادر ہے اور میدان جنگ میں بڑے بڑے سورماؤں کو نیچا دکھا دیتی ہے۔ ابھی تک شادی نہیں کی۔ اس کی شرط ہے کہ

جو کوئی مجھے مغلوب کرے گا اسی سے میں شادی کروں گی۔ راجاؤں کے لڑکے امتحانی لڑائی اس ڈر سے نہیں لڑتے کہ اگر ہار گئے تو بڑی رسوائی ہوگی۔

چین مدت کے بعد اب ہم چین میں داخل ہو گئے ہیں۔ چین کا پھیلاؤ زرخیزی کھیتی باڑی۔ سونا چاندی۔ اور پھلوں کی پیداوار کا کیا ذکر کروں۔ بس جنت ہے۔ کوئی ملک اس کا مقابلہ نہیں کرتا چین کی شکر مصر سے بڑھ کر ہے۔ انگور، خوبانی کثرت سے ہے۔ خربوزہ خوارزم اور اصفہان کے خربوزے کا مقابلہ کرتا ہے۔

جتنے میوے ہمارے ملک میں ہیں وہ یہاں سب کے سب اعلیٰ قسم کے پیدا ہوتے ہیں۔ گیہوں نہایت عمدہ۔ اور اتنا بڑا کہ دوسرے کسی ملک میں ایسا گیہوں پیدا نہیں ہوتا۔ مسور اور چنا بہت عمدہ۔

چینی کے برتن برتنوں کی صنعت عجیب ہے۔ پہاڑ کی مٹی میں جس کی رنگت سیاہ ہوتی ہے پتھر ملاتے ہیں اور تین دن بھٹی میں رکھتے ہیں پھر پانی ڈال دیتے ہیں اور یہ سب ایک ذات ہو جاتی ہے۔ پھر اس مٹی کا خمیر اٹھاتے ہیں۔ سب سے اچھی چینی کا خمیر ایک مہینہ میں تیار ہو جاتا ہے۔ معمولی کا دس دن میں۔ برتن بے حد سستے ہوتے ہیں اور جس طرح ہمارے ملک میں مٹی کے برتنوں کی کثرت ہے یہاں چینی کے برتنوں کی ہے۔ چین کے برتن ہندوستان اور دوسری ولایتوں میں بھی جاتے ہیں۔ چین کی مرغیاں اور مرغ بطخ سے

بڑے ہوتے ہیں اور ان کے انڈے بھی بطخ سے بڑے ہوتے ہیں۔ بطخ چھوٹی ہوتی ہے۔ مرغ شترمرغ کی برابر خوب بڑا ہوتا ہے۔ چین کے لوگ مورتی پوجا کرتے ہیں اور اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں۔ چین کا راجہ چنگیز خاں کی اولاد ہے۔

چین میں مسلمانوں کی بڑی عزت کی جاتی ہے۔ ان کی بستیاں الگ ہیں جن میں جامع مسجد اور چھوٹی چھوٹی مسجدیں ہیں۔

چینی لوگ سور اور کتے کا گوشت کھاتے ہیں اور عام طور سے بازار میں بیچتے ہیں۔ ہر ایک چینی کے ہاتھ میں ایک لمبی لکڑی ہوتی ہے جیسے وہ ٹیک کر چلتا ہے۔ چینی کہتے ہیں کہ لکڑی ہماری تیسری ٹانگ ہے

چین میں ریشم بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ فقیر اور مسکین بھی ریشمی کپڑے پہنتے ہیں۔ سوتی کپڑے کے تبادلہ میں ریشم کے کئی کپڑے مل جاتے ہیں۔

چین میں نوٹوں کا رواج ہے۔ نوٹ ہتھیلی کے برابر ہوتا ہے اور سرکاری چھاپہ خانہ میں چھاپا جاتا ہے۔

چین والے مٹی کا کوئلہ جلاتے ہیں۔ یہ مٹی کھریا جیسی کالی ہوتی ہے جس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیتے ہیں اور پھر لکڑی کی طرح جلاتے ہیں۔ ایک دفعہ جلانے کے بعد راکھ گوندھ لیتے ہیں۔ اور سُکھا کر پھر جلاتے ہیں یہاں تک کہ خاک ہو جاتا ہے۔

چین کی دستکاری تمام دنیا میں مشہور ہے اور تصویر کشی میں تو

ایسا کمال ہے کہ فرنگی بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہماں کہیں ہیں جانا تھا واپس آتے وقت اپنی اور اپنے ساتھیوں کی تصویریں بازار میں لٹکی ہوئی دیکھتا تھا۔ اور ان میں ذرہ برابر فرق نہ ہوتا تھا۔ راجہ نے ہماری تصویریں بنانے کا مصوروں کو پہلے سے حکم دیدیا تھا۔ مصور محل میں آگئے اور ہمیں دیکھ دیکھ کر اس طرح تصویریں بنالیں کہ ہمیں خبر بھی نہ ہوئی۔ چین کے بازار میں جو کوئی بھی گزرتا ہے اس کی تصویر تیار کر لی جاتی ہے۔ اور اگر کوئی مسافر ان کے ملک سے بھاگ کر چلا جاتا ہے تو اس کی تصویریں ہر ملک میں بھیجدیتے ہیں تاکہ جہاں کہیں مل جائے پکڑ لیا جائے۔

سرائے یہاں سرائے کو فندق کہتے ہیں۔ جب کبھی مسلمان سودا گر جاتے ہیں فندق میں ٹھہرتے ہیں اگر چاہیں تو کسی چینی مسلمان کے گھر بھی ٹھہر سکتے ہیں۔ فندق میں ٹھہریں یا مسلمان کے گھر میں ٹھہریں مال کی فہرست لکھ لی جاتی ہے اور سامان کم ہونے کی حالت میں میزبان یا فندق کا مہتمم ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔

چین کے لوگ اپنا بیٹا اور بیٹی فروخت کر ڈالتے ہیں اور اسے عیب نہیں سمجھتے۔ مگر چین سے باہر جانے نہ جانے کا اسے اختیار دیا جاتا ہے۔

پردیسیوں کے لئے جیسا امن چین میں ہے کسی ملک میں نہیں!! لاکھوں روپیہ کا مال لے کر پھرتے رہئے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔

ہر شہر میں فندق بنی ہوئی ہے۔ جہاں حاکم فوج سمیت رہتا ہے
جوں ہی رات ہوتی ہے حاکم ایک منشی کے ساتھ سرائے میں آتا ہے اور
تمام مسافروں کے نام اور سامان کی فہرست لکھ کر سرائے کا دروازہ بند
کرا دیتا ہے۔ صبح کو پھر آتا ہے اور ہر ایک آدمی کا سامان جانچ کر دوسری
فندق تک پہنچا دیتا ہے اور رسید حاصل کر لیتا ہے۔ سراؤں میں
تمام ضروریات کا سامان ملتا ہے۔

سمندری سفر ختم ہو جانے کے بعد ہم شہر زیتون میں پہنچے جہاں
کمخواب اور اطلس تیار کیا جاتا ہے۔ ان کپڑوں کو زیتونیہ کہتے
ہیں۔ زیتون کا بندرگاہ دنیا کے بڑے بندرگاہوں میں ہے۔ ایک سو
بڑے بڑے جہاز اور ان گنت چھوٹے چھوٹے جہاز ہر وقت تیار کھڑے
رہتے ہیں۔

چین میں ہر گھر کے ساتھ باغ اور زمین ہوتی ہے اور اسی لئے
بڑے بڑے گھر بنائے جاتے ہیں مسلمانوں کے محلے الگ ہیں۔

یہاں میری ملاقات چین کے سفیر سے ہوئی جو سلطان ہند
کے پاس تحفے لے کر گیا تھا۔ قاضی تاج الدین اردبیلی جو ایک نیک
فاضل ہیں اور شیخ کمال الدین عبداللہ اصفہانی جو یہاں کے بڑے
بزرگوں میں ہیں اور بڑے بڑے سوداگر مجھ سے ملنے آئے، یہ لوگ
کسی مسلمان کو دیکھتے ہیں تو بے حد خوش ہوتے ہیں۔ یہاں کے
بزرگوں میں شیخ برہان الدین گازرونی ہیں جن کی خانقاہ شہر کے

باہر ہے۔

پھر ہم چین کلاں گئے جس کو چین یا چین کہتے ہیں اور جہاں سے چینی کے برتن ہندوستان یمن اور چین کے تمام علاقوں میں جاتے ہیں۔ شہر کے بیچ میں ایک بڑا مندر ہے۔ جس کے نو دروازے ہیں۔ اور ہر دروازہ کے اندر چبوترے اور دہلیز ہیں۔ دوسرے اور تیسرے دروازہ میں اندھوں اور اپاہجوں کے گھر ہیں۔ جنھیں مندر سے کھانا اور کپڑے ملتے ہیں۔ بیماروں کے واسطے شفاخانہ ہے جہاں طبیب اور خدمتی ملازم ہیں۔ بوڑھوں یتیموں اور لاوارث لوگوں کو بھی کھانا اور کپڑا دیا جاتا ہے۔ مندر کے باغ اور دیہات ہیں جن کی آمدنی مندر میں خرچ ہوتی ہے۔ جس راجہ نے مندر بنایا ہے اس کی تصویر بھی مندر میں لگی ہوئی ہے۔ اور چینی اسے پوجتے ہیں شہر کے ایک حصہ میں مسلمان رہتے ہیں۔ ان کی مسجدیں خانقاہیں اور بازار الگ ہیں۔ قاضی ہے شیخ الاسلام ہے۔ اور مسلمانوں کے تمام معاملات ان ہی کے سپرد ہیں۔ چین یا چین سے آگے کوئی شہر نہیں ہے نہ آبادی ہے۔ کہتے ہیں کہ دو مہینہ تک چلتے رہنے کے بعد یاجوج اور ماجوج کی دیوار ہے۔ اور وہاں کے خانہ بدوش جن کا کوئی مذہب نہیں۔ آدمیوں کو پکڑ کر کھا جاتے ہیں۔ ایسا کوئی آدمی نہیں ملا جس نے یہ دیوار دیکھی ہو اور میں اس سے حال پوچھتا۔

چین کلاں میں مجھے معلوم ہوا کہ شہر سے باہر ایک بوڑھا شخص

رہتا ہے۔ اس کی عمر دو سو برس کی ہے نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ پاخانہ پیشاب کرتا ہے۔ دن رات ایک غار میں عبادت کرتا رہتا ہے۔
یہ شہرت سن کر میں بھی گیا۔ بوڑھا غار کے دروازہ پر بیٹھا تھا دبلا پتلا سرخ رنگ عبادت کے نشان چہرہ سے ظاہر، داڑھی بالکل نہ تھی میں نے سلام کیا تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر سونگھا پھر بولا یہ آدمی دنیا کے دوسرے کنارہ کا ہے اور ہم اس کنارے کے ہیں۔ پھر کہا تجھے یاد ہے جزیرہ سندا پور کے ایک مندر میں دو مورتیوں کے بیچ میں ایک آدمی بیٹھا تھا جس نے دس اشرفیاں تجھے دی تھیں۔ دیکھ!! میں وہی ہوں۔ یہ کہہ کر غار میں چلا گیا اور پھر نہ نکلا۔ شاید یہ بات ظاہر کرنے پر افسوس ہوا۔ میں غار میں گیا مگر ملاقات نہ ہوئی۔ غار کے آدمی نے کہا کہ اب تمہاری ملاقات ناممکن ہے۔ خواہ تم برس برس بھی انتظار کیوں نہ کرو۔ وہ تمہارے پاس ہے مگر تمہیں نظر نہیں آتا۔ قاضی شیخ اوحد الدین کرمانی سے میں نے یہ ذکر کیا تو کہا یہ کوئی نہیں جانتا کہ اس کا مذہب کیا ہے؟ پچاس برس ہوئے کہ یہاں سے کہیں چلا گیا تھا۔ ایک سال سے پھر آ گیا ہے، بادشاہ امیر وزیر اس کی زیارت کو آتے ہیں تو نہایت قیمتی تحفے دیتا ہے فقیروں کو خیرات دیتا ہے مگر اس کے غار میں کسی قسم کا سامان نہیں اگلے زمانہ کی یوں باتیں کرتا ہے جیسے یہ اس وقت موجود تھا پیغمبر آخر الزماں کا ذکر کرتا ہے۔ حضرت عمر فاروق اور حضرت علی کی بہت

تعریف کرتا ہے۔ ان سب لوگوں نے فقیر کی عجیب عجیب باتیں کہیں۔
اوحدالدین نے کہا ایک دفعہ میں اس کے پاس گیا تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہاتھ پکڑتے ہی مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں ایک عالیشان محل میں کھڑا ہوں۔ تخت پر تاج زرین اوڑھے فقیر بیٹھا ہے اور اس کے دائیں بائیں خوب صورت لونڈیاں ہاتھ باندھے کھڑی ہیں۔ نہریں بہہ رہی ہیں اور درختوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر پھل گر رہے ہیں۔ ایک سیب اٹھا کر میں نے کھانا چاہا تو میری آنکھ کھل گئی فقیر میرے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ پھر میں کئی مہینہ بیمار رہا اور فقیر کے پاس جانا چھوڑ دیا۔ لوگوں کا یقین ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ مگر نماز پڑھتے کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ ہاں روزے ہمیشہ رکھتا ہے۔

خنسا دنیا کے شہروں میں یہ شہر سب سے بڑا ہے۔ ہر ایک گھر کے ساتھ باغ اور زمین ہے۔ یہاں کے مسلمانوں میں قاضی فخر الدین شیخ الاسلام اور عثمان بن عفان مصری کی اولاد بڑے مرتبہ کے لوگ ہیں۔ سفید جھنڈے اور نقارے کے مالک ہیں۔
یہود، نصاریٰ اور آفتاب پرست ترکوں کی بہت بڑی تعداد ہے۔ مسجدیں بکثرت ہیں۔ شہر کا حاکم چینی ہے۔ غلاموں کے ساتھ یہاں عجیب قسم کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ ہر ایک کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی رہتی ہیں۔ ۔ ۔ ۔ دس برس گذر جاتے ہیں تو بیڑی کاٹ دی جاتی ہے۔ اور اختیار دیدیا جاتا ہے کہ کام کرے یا نہ کرے۔ کہیں جانا چاہے

تو جا سکتا ہے مگر حکومت کے حدود سے باہر نہیں جا سکتا۔

پچاس برس بعد کام نہیں لیا جاتا اور گذارہ کے لئے روزینہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ کچھ غلام ہی پر منحصر نہیں ہر ایک پچاس برس عمر والے کا گذارہ حکومت کی طرف سے مقرر ہو جاتا ہے۔

عجیب تماشا بوڑھوں کی تعظیم چین میں بہت زیادہ کی جاتی ہے اور بوڑھے کو اتا یعنی باپ کہتے ہیں۔ یہاں کے امیر کے ہاں ہماری دعوت ہوئی اور ہم نے ایسا تماشہ دیکھا کہ اپنی عمر میں اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ کھانے کے بعد بازیگروں کا گروہ آیا۔ امیر نے کہا۔ ہمارے مہمانوں کو ایسا عجیب تماشا دکھاؤ کہ یہ حیران ہو جائیں۔ ایک بازیگر نے لکڑی کا بڑا گیند ہاتھ میں لیا جس کے سوراخوں میں لمبے لمبے تسمے بندھے تھے۔ بازیگر نے گیند اچھالا اور گیند نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ پھر بازیگر نے اپنے ایک شاگرد کو اشارہ کیا اور وہ تسمے پکڑ کر ہوا میں چڑھتا چلا گیا اور اتنی دور تک چڑھ گیا کہ ہم میں سے کوئی اسے نہ دیکھ سکتا تھا۔ بازیگر نے آواز دے کر کہا کہ آجاؤ! مگر وہ نہ آیا۔ اس پر نیچے والے بازیگر کا چہرہ تمتما گیا اور دو مرتبہ کڑک کر پھر آواز دی۔ تین دفعہ کے بلانے پر بھی نہ آیا تو بازیگر غصہ میں بھر گیا اور چھری ہاتھ میں لے کر تسمہ پر چڑھتا چلا گیا۔ تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ شاگرد کا ایک ہاتھ کٹ کر گرا۔ پھر ٹانگ پھر دوسرا ہاتھ اور دوسری ٹانگ کے ساتھ دھڑ نیچے آپڑا۔ استاد اترا تو غصہ میں فوں فوں

کر رہا تھا اور تمام کپڑے خون میں لت پت تھے۔ پھر اس نے امیر کو جھک کر سلام کیا اور چینی زبان میں دعائیں دیں۔ جس پر امیر نے انعام دیا۔ انعام لے کر اس نے شاگرد کے ہر جوڑ کو برابر برابر رکھ کر ٹھوکر ماری اور شاگرد جیسا تھا ویسا ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ قاضی فخر الدین نے کہا یہ سب نظر بندی تھی نہ کوئی چڑھا نہ اترا نہ کسی کو قتل کیا نہ خون بہا میں حیرت سے انگشت بہ دنداں رہ گیا۔ کیا عجیب کمال تھا۔

چین کے ایک شہر میں بانس کی کاری گری ترقی پر ہے۔ نہایت خوب صورت اور رنگین بانس کے طباق اور رکابیاں بنائی جاتی ہیں زمین پر پھینکو تو ٹوٹتی نہیں۔ گرم کھانا ڈالو تو اینٹھتی نہیں۔ ان کا رنگ بھی نہیں بدلتا۔ یہ طباق اور رکابیاں ہندوستان، خراسان اور دوسرے ملکوں تک جاتی ہیں۔

چین کے بعد ختا کا ملک شروع ہو جاتا ہے یہ بھی بہت آباد ہے پھر ہم خان بالق پہنچے۔ اسے خالقو بھی کہتے ہیں یہ شہر قاآن کا دارالحکومت ہے اور قاآن چین اور خطا کا فرماں روا ہے۔

خان بالق دنیا کے بڑے شہروں میں ہے۔ یہاں میری ملاقات شیخ برہان الدین سے ہوئی۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے بادشاہ ہند کو لکھا تھا کہ میں ایسے بادشاہ کی ملازمت نہیں کرتا جو علماء کو اپنے سامنے کھڑا رکھتا ہے۔

یہاں انھیں صدر جہاں کا خطاب ہے اور یہ تمام مسلمانوں کے

نشینح ہیں۔ قاآن یہاں کے بادشاہ کا خطاب ہے۔ اس کا محل وسط شہر میں ہے۔ جس میں سات دروازوں سے گذر کر جانا پڑتا ہے۔

پہلے دروازہ پر کوتوال رہتا ہے۔ جس کے دائیں بائیں پانچ سو پہرہ دار ہوتے ہیں۔ دوسرے دروازہ پر پانچ سو تیر انداز تیسرے دروازہ پر پانچ سو نیزہ بردار چوتھے پر پانچ سو تیغ زن پانچویں پر وزیر کا محکمہ ہے جس میں بہت سے کمرے ہیں اور ایک اونچی نشست گاہ پر سونے کی دوات رکھے وزیر اور پرائیوٹ سکرٹری (کاتب السر) بیٹھتا ہے۔ مقابل کمروں میں دوسرے محکموں کے افسر۔

ساتویں دروازہ پر تین کمروں میں حبشی، ہندی اور چینی غلام بیٹھے رہتے ہیں۔ ان سب کا افسر چینی ہوتا ہے۔

میں جس زمانہ میں پہنچا تھا۔ قاآن شہر میں نہ تھا اور اپنے چچیرے بھائی سے لڑنے گیا تھا۔ چچازاد بھائی کہتا تھا کہ وارث ملک میں ہوں۔ ہمارے پہنچنے پر خبر آئی کہ قاآن مارا گیا اور اس کا چچیرا بھائی لڑائی جیت گیا۔ اور ساتھیوں سمیت قاآن کی لاش دارالحکومت میں آرہی ہے۔ قاآن کی لاش کے ساتھ عزیزوں اور رشتہ داروں کی سو لاشیں تھیں۔

ایک تہہ خانہ میں جسے نہایت نفیس فرش فروش سے آراستہ کیا گیا تھا۔ قاآن کی لاش رکھ دی گئی۔ اور اس کے پاس وہ تمام ہتیار رکھ دیئے گئے جن سے یہ لڑا کرتا تھا۔ سونے چاندی کے برتن۔ چار زندہ

لونڈیاں چھ زندہ غلام بھی تہہ خانہ میں پہنچائے گئے۔ جن کے پاس پانی پلانے کے برتن تھے۔ اوپر دروازہ بنا کر مٹی سے بند کر دیا اور ایک اونچا ٹیلا اس پر بنا دیا۔ پھر چار گھوڑے لائے اور ٹیلے پر اتنا دوڑایا کہ وہ تھک کر چور چور ہو گئے۔ جب ان میں ذرا بھی سکت نہ رہی تو لکڑیوں میں زندہ گھوڑوں کو پرو کر لٹکا دیا یعنی لکڑیاں لید کرنے کی جگہ سے منھ کی طرف نکال دیں۔

قاآن کے قریبی رشتہ داروں کے لئے بھی ایسی ہی قبریں تیار کیں اور کھروں کے برتن رکھے گئے۔ ہر قبر پر تین تین گھوڑے لٹکائے اور باقیوں کی قبر پر ایک ایک گھوڑا۔

بیگمات اور خواصیں چالیس دن قبر پر خیمہ لگا کر رہیں اور کچھ ایسی تھیں جنھوں نے سال بھر تک قبر کو نہ چھوڑا۔

قاآن کے بعد فیروز بخت تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنا دارالحکومت قراقرم قرار دیا۔ تاکہ ماوراء النہر اور ترکستان سے جہاں اس کے چچاؤں کی حکومت تھی قریب رہے۔ ابھی فیروز اچھی طرح جمنے نہ پایا تھا کہ قاآن کے ساتھ والے امیروں نے لوٹ مار اور فساد شروع کر دیا۔ یہ حالت دیکھ کر برہان الدین اور دوسرے معزز مسلمانوں نے مجھے مشورہ دیا کہ تم چین چلے جاؤ۔ اگر عام بغاوت پھوٹ پڑی تو راستے غیر محفوظ ہو جائیں گے۔ پھر مجھے فیروز کے پاس لے گئے۔ فیروز نے تیس آدمی میرے ساتھ کر دیئے اور ہدایت کر دی کہ راستہ بھر میرے

میرے کھانے کا انتظام رکھیں آخر کار ہم خطا ہوتے ہوئے زیتون پہنچ گئے۔

رُخ

زیتون میں ہندوستان جانے کے لئے جہاز تیار کھڑے تھے جن میں ایک جہاز جاوا کے مسلمانوں کا تھا۔ ان لوگوں نے مجھے دیکھا تو پہچان لیا اور بہت خوش ہوئے۔ ابھی جہاز میں دس ہی دن گذرے تھے کہ ہوا بدل گئی۔ اندھیری اور بارش کے طوفان نے ہمیں گھیر لیا۔ بارش لگاتار ہو رہی تھی۔ دس دن بعد سورج نکلا تو ہوا نے ایسے سمندر میں ڈال دیا تھا جسے ہم میں سے کوئی نہ جانتا تھا نہ آگے بڑھ سکتے تھے نہ واپس چین جا سکتے تھے۔ اسی طرح ہم ۴۳ دن سمندر میں بھٹکتے پھرے۔ ۴۳ دن کے بعد قریباً دس میل سمندر میں ایک پہاڑ نظر آیا۔ سخت حیرانی تھی کہ سمندر کے پانی پر پہاڑ کیسا؟ اتنے میں پہاڑ اوپر اٹھا اور سمندر کا پانی نظر آنے لگا یہ دیکھ کر ناخدا کے ہوش اڑ گئے۔ ملاح رونے لگے اور سب ایک دوسرے کو رخصت کرنے لگے۔ میں نے پوچھا تو بتایا کہ یہ رُخ جانور ہے۔ اگر اس کا رخ ہماری طرف ہو گیا تو پھر کوئی شکل جہاز کے بچنے کی نہیں!! اتنے میں ہوا پلٹ گئی اور ہمیں دوسری طرف لے گئی اور ہم میں سے کوئی رخ کی صورت نہ دیکھ سکا۔

یہاں سے ہم سماترا پہنچے۔ سماترا کا سلطان ملک ظاہر ہے اس کے بیٹے کی شادی تھی جس میں ہمیں شرکت کا موقعہ مل گیا۔

شادی اول محل کے صحن میں ایک ممبر بنایا گیا۔ جس پر ریشمی کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ ممبر تیار ہو گیا تو دلہن آئی۔ یہ پیدل تھی اور چہرہ کھلا ہوا تھا۔ بادشاہ اور امیروں کی بیگمات بھی چہرے کھولے دلہن کے پائچے اور دامن اٹھائی ہوئی ساتھ ساتھ تھیں معلوم ہوا کہ شادی کے دن ہر ایک کا پردہ اٹھ جاتا ہے۔ اور غریب امیر ہر ایک انھیں دیکھ سکتا ہے۔ دلہن کے ساتھ چالیس بیگمات تھیں۔ اور دلہن کے سر پر سنہری تاج تھا۔ پھر دلہن ممبر پر بیٹھی۔ سامنے گانے ناچنے والیاں اپنے رقص کا کمال دکھا رہی تھیں۔ اتنے میں زرق برق لباس پہنے دولہا آیا۔ دولہا ہاتھی پر سوار تھا اور اس کے سر پر بھی دلہن جیسا تاج تھا۔ دولہا کے دائیں طرف ایک سو امیر زادے اور شہزادے سفید لباس پہنے زرق برق گھوڑوں کو کداتے چلے آرہے تھے یہ سب لڑکے تھے اور دولہا کے ہم عمر تھے۔ دولہا کے آتے ہی روپیوں اور اشرفیوں کی بکھیر کی گئی۔ ایک طرف بادشاہ بیٹھا تھا۔ دولہا نے آتے ہی سب سے پہلے بادشاہ کے قدم چومے۔ پھر دلہن کے پاس ممبر پر جا بیٹھا دلہن نے دولہا کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور برابر جا بیٹھی۔ پھر پان آگئے۔ دولہا نے دلہن کے منھ میں پان دیا اور دلھن نے دولھا کے منھ میں پان دیا۔ پھر دولھا نے ایک پان اپنے منھ میں رکھکر دلھن کے منھ سے منھ ملایا اور اپنے منھ کا پان دلھن کے منھ میں

دیدیا۔ اور دلھن نے اپنا پان دولھا کے منھ میں منھ ملا کر دیا۔ اس کے بعد پردہ ڈال دیا گیا اور دونوں کو ممبر سمیت اٹھا کر محل میں پہنچا دیا۔ اس کے بعد کھانا لایا گیا۔

سماترا میں میرا قیام دو مہینہ رہا۔ یہاں سے کولم گیا۔ کولم سے کالی کٹ آیا۔ دلی جانے کا ارادہ تھا مگر بادشاہ کے ڈر سے ہمت نہ ہوئی اور اپنے ملک کی طرف چل دیا۔

محرم ۷۴۸ھ کی دسویں تاریخ تھی کہ ظفار پہنچ گیا۔ پھر سمندر کے راستے سے مسقط گیا۔ اور سفر کرتا ہوا شیراز پہنچا جہاں قاضی مجدالدین کی زیارت کی۔ جن کا ذکر میں نے پہلی جلد میں کیا ہے۔

یہاں سے دمشق پہنچا۔ مسجد میں شیخ نور الدین سخاوی سے ملاقات ہوئی۔ مگر مجھ میں اتنی تبدیلی ہو گئی تھی کہ شیخ نہ پہچان سکے کیونکہ بیس برس کی مدت گذرنے پر آیا تھا۔ میں نے اپنا تعارف کرایا تو بڑی گرمجوشی سے ملے اور بتایا کہ تمہارے وطن کے ایک عالم مدرسہ ظاہریہ میں ہیں ان سے مل کر اپنے وطن اور خاندان کا حال معلوم کر لو۔

جب میں نے مدرسہ ظاہریہ میں جا کر حالات معلوم کئے تو رنج کے مارے میرا برا حال ہو گیا۔ والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ فقط ماں زندہ تھیں۔

حلب پہنچے تو ایک نیا واقعہ سننے میں آیا۔ یہاں ایک

درویش جسے شیخ المشائخ کہتے تھے شہر سے باہر ایک پہاڑ میں رہتا تھا اس کے پاس دور دور سے لوگ آتے تھے اور دعا کراتے تھے۔ اس کا ایک مرید تھا جس نے شادی نہ کی تھی۔ ایک دن باتیں کرتے کرتے کہنے لگا کہ پیغمبر بغیر شادی کے نہ رہ سکتے تھے مگر میں رہ سکتا ہوں۔ شیخ المشائخ نے بھی ہاں میں ہاں ملا دی۔ قاضی کو جب یہ خبر پہنچی تو گواہ طلب کئے اور جب ثابت ہو گیا تو شہاب الدین مالکی۔ ناصر الدین اذہم حنفی۔ تقی الدین ابن صائب شافعی۔ عزیز الدین دمشقی حنبلی چاروں مذاہب کے ذمہ دار علماء سے فتوے لے کر دونوں کو قتل کر دیا گیا۔

اسی زمانہ میں دمشق اور دمشق کے آس پاس غزہ۔ حمص۔ عجلون وغیرہ میں وبا پھیل گئی تھی۔ دمشق میں تو یہ حال تھا کہ ایک ایک دن میں دو دو ڈھائی ڈھائی ہزار آدمی مر رہے تھے کچھ دن بعد وبا کم ہو گئی یہ ۷۴۹ھ کا سال تھا۔

جب میں قاہرہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ قاضی عز الدین بن بدر الدین ایک بڑی جماعت کے ساتھ مکہ معظمہ تشریف لے گئے ہیں۔ اس قافلہ کا نام رجبی تھا۔ کیونکہ رجب کے مہینہ میں چلا تھا۔ قاہرہ سے چل کر مکہ معظمہ پہنچا اور رمضان المبارک کے روزے مکہ میں گذارے۔

مکہ کے بزرگوں میں میری ملاقات شیخ شہاب الدین حنفی شہاب الدین طبری۔ ابو محمد یافعی۔ نجم الدین اصفونی سے ہوئی۔

اور حج ادا کرنے کے بعد شامی قافلہ کے ساتھ مدینہ پاک چلا گیا۔ پھر قبر مبارک کی زیارت کر کے قاہرہ واپس آ گیا۔

وطن کو واپسی

قاہرہ میں اس وقت امیر المومنین ابو عنان کا شہرہ سنا تو طبیعت میں تیونس جانے کا شوق پیدا ہوا۔ یہ ۵۵۲ھ کی بات ہے قرقوارہ (چھوٹی کشتی) میں سوار ہو کر پہلے جربہ میں ٹھرا پھر ایک کشتی میں فاس پہنچا اور محفل میلاد نبی کریم میں شرکت کی۔ پھر کچھ دور جہاز میں بیٹھ کر خشکی کے راستہ تیونس پہنچ گیا حاجی ابو الحسن نامسی سے میری قرابت تھی اور ہم وطن بھی تھے۔ ان کے ہاں مہمان رہا اور ابو الحسن والئی تیونس سے ملاقات ہوئی۔

یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وبا میں میری والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مدتوں بعد شہر طنجہ وطن میں پہنچا اور افسوس یہ کہ فقط ماں کی قبر پر فاتحہ پڑھنی نصیب ہوئی۔

یہاں سے اندلس چلا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ الفانسو دہم

مہینہ سے جبرالٹر گھیرے پڑا تھا اور چاہتا تھا کہ اندلس سے مسلمانوں
کو نکال دے مگر وبا سے ہلاک ہو گیا۔ میں نے جبرالٹر دیکھا۔ اسے
جبل الطارق اور جبل فتح بھی کہتے ہیں۔
یہاں سے رندہ، رلہ ہو کر سہیل اور پھر مالقہ پہنچ گیا۔
مالقہ اندلس کا دارالخلافہ ہے۔ مالقہ کا انار جسے یاقوتی کہتے
ہیں تمام دنیا میں مشہور ہے۔
یہاں کے چینی برتن بھی جن پر سنہری کام کیا جاتا ہے۔
لاجواب سمجھے جاتے ہیں اور سب ملکوں میں جاتے ہیں۔

غرناطہ

غرناطہ تمام شہروں کی دلہن ہے۔ غرناطہ کیا ہے ؟ اس
کی تعریف کون کر سکتا ہے۔ یوں سمجھیے کہ دنیا کی تمام
خوبیاں اس میں جمع ہو گئی ہیں۔ اور اس کی تعریف کے لئے پوری
ایک کتاب بھی کافی نہیں ہو سکتی۔
کچھ دن بعد مراکش اور پھر سوڈان چلا گیا۔ یہ ۷۵۳ھ کا ذکر ہے
تھا۔ ہم اور بہت سے سوداگر سفر کرتے ہوئے تغازی پہنچے۔ تغازی
کے گھروں اور مسجدوں کی دیواریں نمک کے پتھروں کی ہیں۔
اور چھتیں اونٹوں کی کھال کی ہیں۔ یہاں نمک کی کان ہے زمین
کھودی جاتی ہے۔ تو ملا اور نمک کی سلیں ملتی ہیں۔ حبشی یہاں
سے نمک لے جاتے ہیں۔ تغازی کا پانی بیحد کھاری ہے اور مکھیاں
بکثرت ہیں۔ یہاں ہم نے بڑی مشکل سے دس دن گذارے۔ کچھ

دور چلنے پر ایک ایسا جنگل ملا جہاں ریت کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہوا کے زور سے ریت کے ٹیلے بن جاتے تھے اور کبھی زمین ہموار ہو جاتی تھی۔ یہاں بڑے ہوشیار رہنما کی ضرورت ہے۔ اس سے اگلا جنگل روشن اور صاف ہے۔ چوروں کا ڈر بھی نہیں ہے۔ یہاں جنگلی گائے بکثرت ہوتی ہے جسے کتوں سے شکار کرتے ہیں۔ گائے کا گوشت کھایا جاتا ہے تو پیاس بڑھ جاتی ہے اور بخار آجاتا ہے جب اسے مارتے ہیں تو اس کے دودھ میں سے پانی نکلتا ہے جسے لوگ پی لیتے ہیں۔ سانپ بھی یہاں بکثرت ہوتے ہیں۔

ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو ہم سوڈان کے پہلے شہر میں پہنچے اس کا نام سمل باسہ ہے۔ یہاں کا ہر ایک آدمی ماموں کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ باپ کے نام سے نہیں پکارا جاتا۔ وراثت بھی بھانجے کو ملتی ہے یہ رواج یا تو میں نے یہاں دیکھا یا ملیبار میں یہ لوگ مسلمان ہیں۔ نماز کے پابند اور حافظ قرآن ہیں۔

یہاں کی عورتیں مردوں سے پردہ نہیں کرتیں۔

مالی شہر جاتے ہوئے ہمارا راستہ بڑے آرام سے گذرا۔ یہاں ہر طرح کا امن ہے اور اکیلے سفر کیا جا سکتا ہے جگہ جگہ سایہ دار درخت ہیں اور اتنے بڑے بڑے کہ ان کے سایہ میں بڑے بڑے قافلے ٹھہر سکتے ہیں۔ کھوکھلی جڑوں میں برسات کا پانی بھر جاتا ہے تو اسے پیتے ہیں۔ بعض درختوں میں شہد

کے چھتے لگے رہتے ہیں جنھیں توڑ کر لوگ لیجاتے ہیں۔ میں نے ایک ایسا درخت دیکھا جس کی کھوکھل میں ایک جولاہہ بیٹھا کپڑا بُن رہا تھا۔

یہ لوگ کدو سکھا کر چھلکے کے پیالے بنا لیتے ہیں اور ان پر پھول پتے بنا کر کام میں لاتے ہیں۔

مالی کا بادشاہ اکثر ایک بلند برج میں جس کا دروازہ شاہی محل کے اندر ہے بیٹھ جاتا ہے۔ برج کے دروازے لکڑی کے ہیں جن پر چاندی کا خول چڑھا رہتا ہے۔ دروازوں پر ریشم کے پردے پڑے رہتے ہیں۔ بادشاہ بیٹھتا ہے تو پردے اٹھا دیئے جاتے ہیں اور دروازہ کی جالی سے ریشمی جھنڈا لٹکا دیا جاتا ہے۔ نوبت نقار بجنے لگتے ہیں۔ پھر محل میں سے تین سو غلام نکل آتے ہیں۔ جن کے ہاتھوں میں نیزے۔ کمانیں اور ڈھالیں ہوتی ہیں۔ نیزہ والے دائیں بائیں اور کمانوں والے دونوں طرف بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر دو گھوڑے اور دو بینڈھے آتے ہیں۔ اس کے بعد بادشاہ کا نائب اور امیر آکر دائیں بائیں بیٹھ جاتے ہیں۔

حبشیوں سے زیادہ کوئی قوم اپنے بادشاہ کا ادب نہیں کرتی چنانچہ برج میں اجلاس کے وقت بادشاہ کسی کو بلاتا ہے تو یہ آدمی اپنے کپڑے اتار کر میلے اور پرانے کپڑے اور میلی ٹوپی سر پر رکھ لیتا ہے اور آدھی پنڈلی تک پائنچے چڑھا کر زمین پر کہنیاں

ٹیکتا ہوا جاتا ہے۔ بادشاہ مجلس میں بات کرتا ہے تو مجلس کے تمام لوگ سروں سے پگڑیاں اُتار دیتے ہیں۔ اور جب تک بادشاہ بات کرتا رہتا ہے چپ چاپ سنتے رہتے ہیں۔ جب کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی آدمی اپنی خدمات اور وفاداری کا اظہار کرے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی کمان کھینچ کر دفعتاً چھوڑ دیتا ہے۔ جس سے جھن سے آواز نکلتی ہے اور جوں ہی بادشاہ کہتا ہے کہ تُو نے سچ کہا تو اپنا عمامہ اتار دیتا ہے اور سر پر خاک ڈالتا ہے گویا حد درجہ عاجزی کا اظہار کرتا ہے۔

یہاں میری دو عیدیں ہوئیں۔ اس لئے مراسم عید دیکھنے کا پورا موقع مل گیا۔ سب سے زیادہ دلچسپ رواج یہ ہے کہ ایک ساز جس کے نیچے چھوٹے چھوٹے کدو لگے رہتے ہیں۔ عید کے دن بجایا جاتا ہے۔ جس کے ساتھ گانا بھی ہوتا رہتا ہے۔ گانے والے بادشاہ کی تعریف کرتے ہیں اور اس کی لڑائیوں اور بہادریوں کے کارنامے بیان کرتے ہیں۔ چھوکریاں بھی ساتھ میں گاتی ہیں اور کمانوں کے کرتب دکھاتی ہیں۔ تیس غلام طبلے بجاتے ہیں جن کے چھنے سرخ ریشم کے ہوتے ہیں۔ پھر چھوٹے چھوٹے بچے آتے ہیں۔ قلا کرتے ہیں اور تلواروں کے کرتب دکھاتے ہیں۔

سوڈان میں شاعر کو جالی کہتے ہیں۔ شاعر جب دربار میں آتے ہیں تو تمام بدن پر پَروں کو جما کر آتے ہیں۔ ایک لکڑی کا سر لگا لیتے

ہیں جس میں چونچ بنی ہوتی ہے۔ اشعار پڑھتے ہیں۔ تو چونچ میں سے آواز نکلتی ہے اور عجیب مضحکہ خیز صورت بن جاتی ہے۔ شاعروں کا مضمون ایسے موقعہ پر بڑا عبرت ناک ہوتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ

اس تخت پر فلاں فلاں بادشاہ بیٹھ چکے ہیں۔ انھوں نے اچھے کام کیے خلقت انھیں یاد کرتی ہے۔ اگر تو بھی اے بادشاہ اچھے کام کرے گا تو خلقت تجھے یاد کرے گی۔ ورنہ تیرا نام مٹ جائے گا۔

پھر شاعر اپنا سر بادشاہ کی گود میں رکھ دیتا ہے۔ پھر سر اُٹھاتا ہے۔ اور بادشاہ کے داہنے کندھے پر اور پھر بائیں کندھے پر رکھتا ہے۔

یہ رواج زمانہ قدیم سے چلا آتا ہے جس میں اسلام لانے کے بعد بھی تبدیلی نہیں ہوئی۔

عبرت ناک کہانی

ایک دن میں دربار میں بیٹھا تھا کہ ایک عالم آیا۔ یہ عالم کسی دوسرے ملک سے آیا تھا۔ اس نے بادشاہ کے سامنے پر جوش تقریر کی جس کی تصدیق قاضی نے کھڑے ہو کر کی۔ قاضی کی تصدیق کے بعد بادشاہ نے تصدیق کی پھر ہر ایک نے اپنی اپنی پگڑی اتار دی اور سروں پر خاک ڈالی۔

اس عالم نے اپنے خاص انداز میں بیان کیا کہ

اے بادشاہ سن!! میرے ملک میں ٹڈیوں کا دل آیا۔ اسے دیکھ کر خدا کے خوف سے ہمارے ملک کا ایک نیک آدمی لرزنے لگا اور ایک ٹڈی کو بلا کر پوچھا تم

تم یہاں کیوں آئی ہو؟ ٹڈی بولی جس ملک میں ظلم زیادہ ہو جاتا ہے ہم وہاں
جاتی ہیں اور خدا کے حکم سے اس ملک کی کھیتی اجاڑ دیتی ہیں۔

بادشاہ نے پگڑی اتار کر اور سر پر خاک ڈال کر کہا۔ میں ظلم سے بیزار ہوں۔ جو کوئی ظلم کرے گا میں اسے سزا دوں گا۔ اگر کسی کو ظلم کا حال معلوم ہو اور مجھے خبر نہ دے تو اس کا عذاب خبر نہ دینے والے کے ذمہ ہے۔
اس پر سب امیروں نے پگڑیاں اتار کر ظلم سے بیزاری ظاہر کی۔

سوڈانی ظلم اور ناانصافی پسند نہیں کرتے۔ اور سوڈان کا بادشاہ انصاف کے معاملہ میں کسی کی رعایت نہیں کرتا۔ یہاں نہ مسافر کو چور کا ڈر ہے نہ مقیم کو۔ اگر کوئی پردیسی مرجاتا ہے تو اس کے مال کو ہاتھ نہیں لگاتے اور جب بھی وارث آتا ہے اسے تمام مال واپس دیدیا جاتا ہے۔

سوڈانی نماز کے بیحد پابند ہیں۔ اگر کوئی لڑکا، لڑکی نماز نہیں پڑھتا تو اسے سزا دیتے ہیں۔ جمعہ کے دن مسجدوں میں اتنی بھیڑ ہوتی ہے، کہ اگر پہلے سے کوئی نہ پہنچے تو جگہ نہیں ملتی۔ جمعہ کے دن ہر ایک آدمی صاف اور ستھرا لباس پہنتا ہے اور خوشبو لگا کر مسجد میں جاتا ہے۔

قرآن مجید محنت سے یاد کرتے ہیں اور جو بچہ قرآن یاد کرنے میں کوتاہی کرتا ہے اس کے دونوں پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیتے ہیں اور جب تک حفظ نہیں کر لیتا بیڑیاں نہیں کھولتے۔

ان تمام خوبیوں کے ساتھ ایک خرابی اتنی بڑی ہے جسے دیکھ کر مجھے سخت تکلیف ہوئی اور وہ یہ ہے کہ ان کی لونڈیاں، نوکر عورتیں،

چھوٹی چھوٹی لڑکیاں مادرزاد ننگی پھرتی ہیں۔ رمضان کے مہینہ میں یہ بات زیادہ بدنما ہو جاتی ہے جب کہ امیروں کی لونڈیاں کھانا اور افطار کا سامان لے کر بازاروں میں ننگی نکلتی ہیں۔ اور جو عورت بادشاہ کے سامنے آتی ہے ننگی آتی ہے۔ رمضان کی ستائیسویں کو میں نے دیکھا کہ شاہی محل سے سو عورتیں نکلیں جن کے ساتھ دو نوجوان شہزادیاں بھی ننگی تھیں۔

ادب کا یہ طریقہ بھی اچھا نہیں کہ سروں پر خاک ڈالی جائے۔ نہ شاعروں کا یہ طریقہ کہ مسخروں اور بھانڈوں جیسی شکل بنا کر دربار میں آئیں۔ یہ بھی سنا کہ اکثر حبشی مُردار کُتّے اور گدھے کھا جاتے ہیں۔

مالی شہر سے جب میں واپس چلا تو دریائے نیل کی ایک شاخ میں جہاں مچھر کثرت سے ہوتے ہیں۔ رات میں ہم نے کشتی کا سفر کیا۔ چاندنی رات تھی۔ ہم نے دیکھا کہ دریا کے کنارے بڑے بڑے جانور چرتے پھرتے ہیں۔ ہم سمجھے کہ ہاتی ہیں۔ مگر جب یہ سب کے سب آہٹ سن کر پانی میں اترے تو معلوم ہوا کہ دریائی گھوڑے ہیں۔

دریائی گھوڑا گھوڑے سے بڑا اور فربہ ہوتا ہے۔ اس کا سر گھوڑے کا سا اور پاؤں ہاتی جیسے ہوتے ہیں۔ دریا میں تیرتے رہتے ہیں۔ مسافر انھیں دیکھ کر اس ڈر سے کشتیاں کنارے پر لیجاتے ہیں کہ یہ کشتی کو نہ ڈبو دیں۔

دریائی گھوڑے کے شکار کا طریقہ یہ ہے کہ نیزوں میں رسی باندھ کر

دور سے نشانہ لگاتے ہیں۔ نیزہ اگر گردن یا ٹانگ میں گھس جاتا ہے۔ تو کھینچ لیتے ہیں اور نیزہ کے ساتھ ہی گھوڑا بھی کھینچ آتا ہے۔

جشیوں کے متعلق ایک بات میں نے یہ بھی سنی کہ آدمیوں کا گوشت کھا جاتے ہیں۔ مگر گورے رنگ کے آدمی کا نہیں کھاتے، کہتے ہیں کہ یہ کچا ہے۔ نقصان کرتا ہے۔

اس ملک کے سفر کے بعد میں پھرتا پھراتا اپنے وطن میں پہنچ گیا اور اس طرح میرا اتنا لمبا سفر دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ۳ر ذیحجہ ۵۶ء میں ختم ہو گیا۔ الحمد للہ

(یونین پرنٹنگ پریس اردو بازار دہلی)